بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

مسلسل اشاعت کے چھیالیس سال

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

548-49

جمادی الاول و ثانی ۱۴۳۲ھ

اپریل، مئی 2011

ماہنامہ الحق

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی و دینی ہمہ گیر خدمات سے بحمدللہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک و بیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جو کہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف دو کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیر اثر حلقہ احباب و اہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کیلئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ رقوم چیک ڈرافٹ، پے آرڈر یا آن لائن کی جاسکتی ہیں۔ **واجر کم علی اللہ**

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

یو بی ایل اکوڑہ خٹک	نیشنل بینک اکوڑہ خٹک	مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ
برانچ کوڈ (0288)	برانچ کوڈ (1520)	11240201001102-6
اکاؤنٹ نمبر 100-0001-7	اکاؤنٹ نمبر 5-17	

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ عَلیٰ اٰلِہٖ وَسَلِّم تَسلِیمًا

جلد نمبر --- 46
شمارہ نمبر --- 8-07
جمادی الاول ثانی --- ۱۴۳۲ھ
اپریل، مئی --- ۲۰۱۱ء

اے بی سی آڈٹ
بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت
9-6-2011

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
نگران: حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ
مدیر: حافظ راشد الحق سمیع حقانی
ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز • سانحہ ایبٹ آباد قومی حمیت کا جنازہ۔

- قدیم فاضل دیوبند حضرت مولانا عبدالحنانؒ کی رحلت .... راشد الحق سمیع حقانی ۲
- استقلال و استقامت کی اہمیت و برکات .... حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب ۶
- عہد رسالت ﷺ اور سائنس و ٹیکنالوجی .... جناب ظفر اقبال ۱۳
- ہماری قومی خود مختاری کی زبوں حالی .... جنرل مرزا اسلم بیگ ۲۶
- یادگار اسلاف حضرت مولانا عبدالحنان جہانگیرویؒ کی یادیں اور باتیں .... مولانا عرفان الحق ۲۹
- پاکستان کیلئے خطرے کی گھنٹی .... جناب ریاض احمد نعمانی ۴۱
- حجاب سے فرانس خوفزدہ کیوں .... جناب ریحان اختر ۴۴
- اسلام کے نئے ترجمانوں کا طرز و انداز اور فہم دین کا صحیح رخ! .... ساجد احمد صدوی ۴۷
- تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کی دارالعلوم آمد اور خطاب .... جناب عدنان زیب ۵۸
- ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک کا اشاریہ ایک عظیم علمی، ادبی، تاریخی اور تحقیقی کارنامہ .... علامہ عبدالرشید عراقی ۶۱
- امریکہ سفاکیت اور دو رنگی کا علمبردار .... جناب محمد عاصم حفیظ ۶۳
- اک ستارہ ہائے عقدِ کہکشاں سے اٹھ گیا .... (مرثیہ) .... حافظ محمد ابراہیم فانی ۶۶
- دارالعلوم کے شب و روز .... (تقریب تقسیم انعامات، دورہ امہ چلڈرن اکیڈمی، امن ریلی سے خطاب) .... جناب شفیق فاروقی ۶۷
- تبصرہ کتب .... ادارہ ۷۰

نوٹ: یہ شمارہ دوماہ (اپریل، مئی ۲۰۱۱ء) پر مشتمل ہے

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر (0923)630340-630435
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com Fax(0923)630922
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/25 روپے سالانہ -/250، بیرون ملک 25$ امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور
کمپوزنگ: بابر حنیف

نقش آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم راشد الحق سمیع حقانی

سانحہ ایبٹ آباد قومی حمیت کا جنازہ

وَمَا كَانَ قَيسٌ هُلْكُهُ هُلْكُ وَاحِدٍ
قیس کا مرنا صرف ایک آدمی کا مرنا نہیں ہے
وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَومٍ تَهَدَّمَا
بلکہ پوری قوم کی بنیاد کا گر جانا ہے

الحمدللہ اسلام کی ساری تاریخ دعوت وعزیمت سے بھری پڑی ہے، قرون اولیٰ سے لے کر آج کے عہد پست تک ہر طرف اور ہر جانب حق و باطل کا معرکہ بپا رہا ہے اور اسلام کا علم مجاہدین و شہدائے اسلام کے ہاتھوں ایک دوسرے سے منتقل ہوتا ہوا اپنے وقت کے امام شاملؒ اور عہد جدید کے ٹیپو سلطان شہید شیخ اسامہ بن لادن کی ولولہ انگریز قیادت کی صورت امت مسلمہ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ مرد قلندر جس کی ہیبت سے کرۂ ارض کی تمام کفری قوتیں بشمول عالمی سپر طاقت امریکہ لرزہ براندام تھیں کیونکہ ان شیطانی قوتوں کو اس حقیقت کا ادراک تھا کہ سوویت یونین کو شکست فاش سے دوچار کرانے میں جہاں افغان مجاہدین کا بڑا کردار تھا وہیں عرب مجاہدین اور خصوصاً شیخ عبداللہ عزام اور شیخ اسامہ بن لادن جیسے دیو مالائی کرداروں کا جذبہ جہاد اور شوق شہادت بھی کارفرما تھا۔ اسی لئے عراق کی ظالمانہ جنگ کے بعد جب امریکہ کے مکروہ عزائم دیگر عرب اسلامی ممالک کی جانب بھی پھیلنے لگے تو شیخ اسامہ بن لادن ہی وہ مرد قلندر تھے جنہوں نے نعرۂ حق بلند کر کے آنے والے خطرات سے عالم اسلام کو ببانگ دہل آگاہ کیا۔ یہی کلمہ حق و نغمہ توحید معبودان باطل اور فراعنہ وقت کو لرزا گیا

دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا ۔ سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

اور اسی دن سے انہوں نے شیخ اسامہ بن لادن کی کھل کر مخالفت شروع کردی اور بعد میں ۹/۱۱ کا ڈرامہ از خود رچا کر شیخ کے خلاف بغیر کسی ثبوت کے یکطرفہ کارروائی کا فیصلہ کرلیا۔ ہر چند ملا محمد عمر مدظلہ اور افغان حکومت نے امریکہ سے شیخ کے متعلق ثبوت بار بار مانگے لیکن امریکہ ثبوت فراہم نہ کرسکا۔ کیونکہ اس کے پاس حقیقت میں کسی قسم کے ٹھوس ثبوت نہ تھے۔ بہرحال جس طرح عراق کے خلاف ایٹمی ہتھیاروں کا جھوٹا پروپیگنڈہ کرانے کے بعد اس کے خلاف جارحیت کی گئی اور جس کے نتیجے میں لاکھوں بے گناہ مسلمان شہید کردیئے گئے۔ اسی طرح افغانستان کی اسلامی حکومت کے خلاف بھی دنیا بھر کے ممالک یکجا ہو کر حملہ آور ہوئے اور بغیر کسی ثبوت کے یہاں بھی لاکھوں بے گناہ افغان مسلمانوں کو تہ تیغ کرایا گیا۔ اب جبکہ

امریکہ اور نیٹو گزشتہ دس برس سے افغانستان میں بری طرح مار کھانے کے بعد شکست فاش سے دوچار ہوگئے ہیں اور امریکی صدر باراک اوبامہ آئندہ سال صدارتی الیکشن دوبارہ لڑنا چاہتے ہیں تو اس کیلئے ۲ رمئی ایبٹ آباد کا آپریشن کرایا گیا اور باراک اوبامہ نے ٹی وی پر آکر امریکی عوام کے سامنے نہتے اسامہ بن لادن کی شہادت کی اطلاع بڑی ''خوشی' بہادری'' کے ساتھ سنائی کہ درجنوں مسلح امریکی کمانڈوز نے ہیلی کاپٹروں کی مدد سے اسامہ کو ماردیا ہے۔اور امریکہ اب محفوظ ہوگیا ہے۔اسکے بعد ''مہذب'' امریکیوں اور یورپیوں نے واشنگٹن' نیویارک اور دیگر بڑے شہروں میں ان نہتے مسلمانوں کے قتل عام کا خوب جشن منایا۔اور اپنی چھپی ہوئی درندگی اور کٹر متعصب لڑاکا عیسائی قوم ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ان سرکاری جشن نما مظاہروں سے یورپ اور امریکہ مسلمانوں کو یہ پیغام دینا چاہتا تھا کہ صدر بش کی مسلمانوں کے خلاف جاری صلیبی جنگ کمزور نہیں پڑی بلکہ پہلے سے زیادہ اس میں شدت آن پڑی ہے۔اور امریکی عوام بھی اپنے حکمرانوں کیساتھ شامل ہیں۔

دراصل اس آپریشن کا بڑا مقصد یہ تھا کہ پاکستان پر بھی مزید دباؤ ڈالا جاسکے اور اسی بہانے شمالی وزیرستان میں آپریشن بھی کرایا جائے اور ساتھ ساتھ دینی مدارس کو بھی بند کرایا جائے۔اگرچہ اس آپریشن کے بارے میں نہ صرف پاکستان بلکہ امریکہ اور دنیا بھر میں شکوک وشبہات کا ایک بڑا طوفان کھڑا ہوا ہے۔بظاہر تو یہ امریکہ کا گزشتہ ڈراموں کی طرح ایک بڑا ڈرامہ لگتا ہے کیونکہ اب تک دنیا کے سامنے حقیقی ثبوت اور تصاویر سامنے نہیں لائی گئیں۔خود امریکہ کے کئی اتحادی ممالک نے بھی اس مشکوک آپریشن کے بارے میں کھل کر اپنے تحفظات اور خدشات کا اظہار کیا ہے۔اور اگر بالفرض یہ آپریشن حقیقت میں ''بامراد'' ہو بھی گیا ہے تو شہادت ہی شیخ اسامہ بن لادن کی منزل مقصود اور حاصل زندگی تھی۔اسی منزل کی جستجو اور تلاش میں تو اس شہزادے نے زندگی بھر در بدر کی ٹھوکریں کھائی تھیں۔اسی معراج کو پانے کیلئے اس مسافرِ بے نوا نے سرزمین حجاز مقدس' ذاتی محلات اور دنیا کی بہت بڑی کاروباری ایمپائر ''بن لادن'' کمپنی کے شیئرز اور دیگر دنیاوی عیش وراحت کے عشرت کدوں' بے بہا نعمتوں' جوانی اور اپنی اولاد اور خون کی قربانی دے کر شہادت وجنت حاصل کرنی تھی۔شیخ اسامہ بن لادن تو شہادت دے کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے امر ہوگئے اور تاریخ میں اپنے لازوال کردار اور قربانیوں کی بدولت خیر قرون بلکہ شہدائے بدر کی صف میں پہنچ گئے۔

عمریست کہ افسانہء منصور کہن شد ماازسر نو آب دہیم دار ورسن را

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

آج اسلامی تاریخ کے سارے عظیم کمانڈروں' سپہ سالاروں اور شہیدوں کے جھرمٹ میں اسامہ بدر کامل کی طرح چمک رہا ہے اور کیوں نہ ہو جس شخص نے دوسپر پاروز کا مقابلہ کیا ہو اور انہیں شکست فاش اور ہزیمت اور شرمساری سے دوچار کیا ہو۔کرہ ارض کی تن تنہا سپر پاور اور اس کے ہمنواؤں کی تمام جدید ٹیکنالوجی اور اسباب ووسائل مل کر بھی پندرہ برس تک اسے تلاش نہ کرسکے۔اب بھی اگر غدار چند پاکستانیوں کی مخبری' حکمرانوں اور خفیہ ایجنسیوں کا تعاون امریکہ کو

حاصل نہ ہوتا تو مزید کئی برس شیخ اسامہ بن لادن امریکہ کے ہاتھ نہ آتا۔ پاکستان نے عالمی کولیشن کا حصہ بننے کے بعد جس قسم کا افسوسناک وشرمناک کردار اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف ادا کیا ہے، یہ بھی ایک ایسی المناک کہانی ہے جو ہمیشہ آئندہ آنے والی پاکستانی نسلوں کا منہ چڑاتی رہے گی۔ ہم کرائے کے قاتل بن کر دین کو بیچ کر حمیت کو نیلام کر کے اور ایمان وضمیر کو گروی رکھ کر بھی نہ دنیا کما سکے اور گھر بار جلا کر بلکہ سب کچھ تج دینے کے باوجود بھی نہ امریکہ کو راضی کر سکے اور نتیجہ کے طور پر آج دنیا میں سب سے خطرناک ملک پاکستان بن گیا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ ڈرون اور خودکش حملے سرزمین پاکستان پر ہوتے ہیں۔ دھرتی کا ایک ایک شہر اور ایک ایک قریہ زخموں سے چور چور ہے۔ ہر طرف آہ وبکا کا عالم ہے۔ دن بدن آگ پھیلتی چلی جارہی ہے، معیشت کی ناؤ مکمل غرق آب ہوگئی ہے۔ توانائی کے شدید بحران کے عفریت نے اٹھارہ کروڑ پاکستانیوں کو زندہ درگور کردیا ہے، حکمرانوں کی غلامانہ پالیسیوں کے نتیجے میں ہم نے جنت نما پاکستان کو جہنم کدہ بنادیا ہے اور حکمران دس سالوں میں ملک وملت کو امریکی ڈنڈے سے ہانکتے ہانکتے وادی تیہ میں بھٹکنے، سسکنے، تڑپنے اور گھٹ گھٹ کر مرنے کیلئے چھوڑ آئے ہیں۔ دنیا میں غلاموں کے بھی آخر کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ یہ کیسی غلامی ہے جس میں ''آقا'' ایک لمحہ کیلئے بھی ہم سے راضی نہیں ہورہا؟ ہر لحہ اس کے طعنوں، دھمکیوں اور حملوں میں اضافہ ہورہا ہے۔ لاہور میں ریمنڈ ڈیوس کا قتل عام اور پھر اس کا فاتحانہ انداز میں جانا، ایبٹ آباد کے سانحہ کا پیش آنا اور اس پر صدر وزیراعظم کی امریکہ کو مبارکباد دینا اور اسے عظیم فتح قرار دینا اور پارلیمنٹ کی مشترکہ قرارداد کی دھجیاں اڑانا اس بات کی غمازی کررہا ہے کہ اگر یہی غلامانہ پالیسی اور حکمرانوں کا وطیرہ رہا تو خاکم بدہن پاکستان کا ایٹمی پروگرام اور اس کی بچی کھچی سالمیت چند دنوں کا کھیل معلوم ہورہی ہے۔ ویسے بھی افغانستان کے محاذ امریکہ کیلئے روز بروز ٹھنڈے تابوت فراہم کررہے ہیں اور امریکہ وحشی خانہ بدوشوں کی طرح اپنا جنگی سازوسامان نئی منزل پاکستان کو منتقل کرانا چاہتا ہے۔ اب اگر قوم اس سانحہ پر بھی نہیں اٹھتی اور انہیں شور قیامت کی آواز سنائی نہیں دیتی تو پھر اللہ تعالیٰ کو بھی پتھر کی مورتیوں سے نہ کبھی ربط رہا ہے اور نہ آئندہ کبھی ان سے انس ہوسکتا ہے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ''پاکستان'' والو　　تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں قیامت آنے والی ہے　　تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ان للہ لا یغیر مابقوم حتی یغیروا بانفسھم

قدیم فاضل دیوبند حضرت مولانا عبدالحنانؒ کی رحلت

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی　　اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

برصغیر پاک وہند کے علمی قبلہ وکعبہ دارالعلوم دیوبند کی آفاقی خدمات سے کرۂ ارض کا ذرہ ذرہ آج روشن و

تاباں نظر آ رہا ہے۔ اکابرین امت نے اپنے خونِ جگر سے جو چراغ حق روشن کئے تھے اور اپنے علمی وروحانی فیض سے جن تلامذہ کی تربیت فرمائی تھی انہی کی ضیاء پاشیوں اور رُشد وہدایت کی کرنوں نے صفحہ دہر کی ظلمتوں کو علم وعمل سے منور کر رکھا ہے۔ افسوس صد افسوس گزشتہ دنوں بزمِ دارالعلوم دیوبند کا ایک ایسا ہی قدیم مگر روشن چراغ ہم سے ہمیشہ کیلئے بادِفناء کے باعث بجھ کر بچھڑ گیا ہے جس کی تلاش میں اب اگر ہتھیلی پہ چاند' سورج رکھ کر بھی ڈھونڈا جائے تو تب بھی ان کا ملنا محال ہے۔ ع اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

حضرت مولانا عبدالحنان دیوبندیؒ دارالعلوم کے اولین اکابرین کے فیض یافتہ اور اجلہ مشائخ کی صحبت یافتہ زندہ جاوید تصویر اور تاریخی شخصیت تھے۔ فی زمانہ ہماری ناقص معلومات کے مطابق آپؒ سب سے قدیم ترین اجلہ فضلاء دیوبند میں سے تھے۔ آپکی دارالعلوم دیوبند سے سن فراغت ۱۹۳۲ء کی ہے اور فراغت کے وقت آپ کی عمر صرف بیس برس تھی۔ قمری لحاظ سے آپ کی عمر تقریباً ۱۰۷ برس تھی۔ حضرت دادا جان مولانا عبدالحقؒ کی جدائی کے بعد خاندانِ حقانی کے آپ ہی سب سے بزرگ' محترم اور مشفق سربراہ تھے۔ آپؒ کی بلا کی یادداشت اور قابل رشک صحت دنیا کے سامنے ایک مثال تھی۔ وفات پانے سے صرف پانچ ماہ قبل پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی' بس صرف یہی ایک بیماری پہلی اور آخری بار انہیں لاحق ہوئی اور بلآخر یہی جرم ضعیفی کی جزا ٹھہری اور گزشتہ ماہ بروز جمعرات ۵رمئی ۲۰۱۱ء رات دس بجے کو علم وعمل اور صدق وصفا کا یہ پیکر ومسافر اپنے مشائخ واساتذہ اور دیرینہ دوستوں کے اس بہشتی قافلے میں شامل ہوگیا جسکی منزل سدرۃ المنتہیٰ اور جنت الماویٰ ہی ہے۔

آپ عاجزی اور انکساری' اخلاق حسنہ' عبادت گزار' شب زندہ دار تھے۔ ذوقِ مطالعہ عمر بھر رہا' درس وتدریس کا مشغلہ بھی برسوں رہا۔ علاقہ بھر میں لوگوں کی غمی وخوشی کے موقع پر حاضر رہتے' چھوٹوں کیساتھ بڑا مشفقانہ رویہ رکھتے تھے' صفائی ونفاست بھی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی' اللہ تعالیٰ نے باطنی کمالات کیساتھ ساتھ لمبا قد اور خوبصورت وجیہ جسم و چہرہ بھی عطا کیا تھا۔ جس مجلس میں بھی تشریف لے جاتے نگاہیں خود بخود آپکی طرف اٹھ جاتیں۔ دارالعلوم حقانیہ کے ختم بخاری و دیگر اہم اجتماعات کے موقع پر آپ ضرور تشریف لاتے۔ اور طلباء کو اجازتِ حدیث اور قیمتی نصائح سے نوازتے۔ کراچی کے جامعہ احسن العلوم کے مہتمم اور نامور عالم دین حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب' استاد حدیث مولانا سعید اللہ شاہ صاحب اور ہمارے دوست و بھائی مولانا مفتی مختار اللہ حقانی مرتب ''فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ'' آپکے خصوصی و نامور تلامذہ میں سے ہیں۔ انکے پوتے مولانا نقیب احمد انکے علمی جانشین ہیں۔ انہوں نے اور ڈاکٹر مجیب الرحمٰن وخلیق صاحب نے بے مثال خدمت کی سعادت حاصل کی۔ راقم کی تجویز اور تحریک پر آپکی تدفین دارالعلوم کے ''حقانی قبرستان'' میں اپنے دیرینہ دوست شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے پہلو میں ہوئی اور یوں پون صدی قبل جو دوستی کا سفر دارالعلوم دیوبند کی مقدس فضاؤں سے شروع ہوا تھا وہ مرنے کے بعد بھی ختم نہ ہوا۔

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب

استقلال واستقامت کی اہمیت وبرکات

(۲)

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم قال الله عزوجل إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ○ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ○ نُزُلًا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ○ (حم سجده)

ترجمہ: تحقیق جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے (اور) پھر اسی پر قائم رہے ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کرو اور خوشخبری سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ تھا' ہم تمہارے دوست (رفیق) دنیا میں اور آخرت میں اور تمہارے لئے وہاں (یعنی جنت میں) موجود ہے جو تمہارا نفس چاہے اور تمہارے لئے (ہر وہ شی ہے) جو کچھ مانگو (تمہارے لئے) مہمانی ہے اس بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔

استقامت کا حکم:

وقال الله عزوجل فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (سورة هود)

ترجمہ: آپ سیدھے (راہ) اور استقامت سے چلئے جیسا کہ حکم ہے اور جس نے توبہ مانگی آپ جیسے اور حدود سے تجاوز نہ ...و کیونکہ اللہ یقیناً تمہارے امور کو دیکھتا ہے۔

وقتی جوش وخروش:

محترم حاضرین! گزشتہ ہفتہ عرض کیا تھا کہ جو مرد وزن اللہ کے ایک ہونے' عبادۃ صرف اسی کے لئے کرے' اسی کو دینے والا اور نہ دینے والا مان کر پھر اسی وعدہ واقرار پر آخر تک قائم رہے اس عہد کے نبھانے کے دوران جانی' مالی ہر قسم نقصان ورکاوٹ کی پرواہ نہ کرے وہی مسلمان اپنے عہد میں سچا اور دنیا وآخرت میں اللہ کی طرف سے ذکر کردہ انعامات کا مستحق ہوگا۔ گویا اصل چیز استقامت اور اس کے ساتھ دوام ہے کہ جو وعدہ رب سے کر لیا ہے اس پر قوت سے نہ صرف ڈٹا رہے بلکہ اس اقرار کے جو تقاضے ہیں ان کی ادائیگی کے لئے ہر وقت کمر بستہ بھی رہے صرف وقتی جوش وخروش کافی نہیں کہ واعظ سے ایک دینی عمل کے اجر وثواب کا سن کر چند لمحات یا دنوں کے لئے اس پر کاربند رہا مگر وقت گزرنے کے

ساتھ نہ وہ پہلا والا شوق رہا اور نہ دینی کاموں میں مسارعت ومسابقت کی تحریک۔ آئے دن آپ دیکھتے ہیں کہ دنیاوی امور میں بھی اگر استقامت کی رعایت نہ ہو تو انسان دنیا کے کاموں میں بھی ناکامی سے دوچار ہوتا ہے' مثلاً ایک دن جوش میں آکر زندگی گزارنے کے جو اسباب اور شعبے ہیں کسی ایک سے منسلک ہونے کا ارادہ کیا مگر عزم میں پختگی' ہمت اور استقامت سے محرومی کی وجہ سے معمولی تکلیف ونقصان کے تصور سے مختصر عرصہ میں ارادہ بدل کر پہلے سے تیار کردہ منصوبوں کو لپیٹنے کے بعد دوسرے شعبہ کے تلاش میں لگ جاتا ہے اور پھر دوسرے مرحلہ میں بھی یہی غیر مستقل مزاجی' حالانکہ معمولی عقل ودانش والا انسان بھی جانتا ہے کہ دنیا کے ہر کام میں پہلے روز سے سکون وراحت اور منافع کا حاصل ہونا کسی کے بس میں نہیں۔ کامیابی کے لئے کئی نقصانات وشدائد کا سامنا کرنے کے بعد ہی فوائد ملنے کا احتمال پیدا ہو جاتا ہے۔

دستور حیات:

جب اس فانی' عارضی اور مختصر عرصہ حیات کا یہی دستور ہے تو پھر موت کے بعد دائمی اور نہ ختم ہونے والی زندگی کے بارہ میں کیسے یہی سمجھا جائے کہ بس ایک دفعہ اللہ کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی رسالت کا اقرار ہی نجات کے لئے کافی ہے۔ عمل اور اس راہ میں قربانیوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس غلط وباطل عقیدہ کے بطلان کے لئے رب کائنات نے قرآن میں اور آنحضرت ﷺ نے اپنے فرمودات میں جگہ جگہ صراحت سے فرمایا کہ جو اقرار کیا اس پر قیامت تک قائم رہو امام ترمذیؒ نے آپ کا ارشاد ذکر فرمایا: قل آمنت باللہ ثم استقم

یعنی کہہ دو کہ میں ایمان لایا اللہ پر اور پھر اس پر اس فانی زندگی کے ختم ہونے تک قائم رہو۔

مقصد عظیم کے لئے قربانیاں:

محترم حاضرین عزم واستقلال کے پیکر رسول عربی محمد الرسول اللہ ﷺ نے جن مصائب کو پامردی سے برداشت کرنا پڑا اس کے چند واقعات گزشتہ وعظ میں بیان کر چکا ہوں' اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ کو احساس ہے کہ ہر انسان کے لئے وطن' مال' اہل وعیال کتنے عزیز ہوتے ہیں ان تمام چیزوں کو اپنی دنیوی عیش وآرام اور زندگی کے بقاء کا ذریعہ سمجھتا ہے' لیکن آنحضرت ﷺ کے ملحوظ خاطر یہ امور نہ تھے بلکہ ان کا مطمح نظر ایک بلند اور عظیم مقصد تھا کہ گمراہ لوگوں کو دین متین کے راہ پر چلا کر انسان کی پیدائش کا حقیقی مقصد دین اور ملت کی روشنی میں پھیلایا جائے' اسی اعلیٰ وارفع مقصد کے حصول کی خاطر تن' من دھن اور اعزہ واقارب کو خیر آباد کہہ کر ہجرت کی راہ اپنائی' کفار مکہ نے جب محسوس کیا کہ مدینہ کے چند لوگوں کی جن کی تعداد چھ یا آٹھ تھی' نے آنحضرت ﷺ کا پیغام حقانیت سن کر اسلام لائے اور اسلام کی محاسن سے متاثر ہو کر مدینہ کے ہر گھر میں اسلام کی پذیرائی اور قبولیت کے چرچے شروع ہو گئے۔

نامور قبائل اور ان کی شاخوں میں مسلسل مرد وزن آفتاب نبوت کی روشنی سے مستفید ہوئے' مکہ سے جلیل القدر صحابہؓ کی

ایک معتد بہ تعداد مدینہ طیبہ کے لئے رخت سفر باندھ کر عازم یثرب ہوگئے۔ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی افرادی قوت میں روزافزوں اضافہ سے کفار مکہ مزید سیخ پا ہوکر مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کیلئے ان پر ظلم وستم کے مزید حربے آزمانے لگے۔ کفار کو خوف تھا کہ مسلمان مجتمع ہوکر خرافات پر ان کے مبنی عقائد کے خاتمہ کا پیش خیمہ بن سکتے ہیں۔ مگر مسلمان ان کے شدائد کو برداشت کرنے کے ساتھ اپنے مال وجان اور آبرو کی سلامتی کو عزم واستقامت سے اللہ کی راہ میں قربان کرکے ہجرت کرتے رہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اکثر مشاہیر صحابہ مکہ چھوڑ گئے ماسوائے چند صحابہ جیسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ جو اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ پر نچھاور کرنے والے حضور کی رفاقت اور حفاظت کے لئے مکہ میں رہ گئے۔ مکہ کے کفار اپنے کفر وگمراہی کے گھمنڈ میں شدید انتقام لینے پر کمربستہ ہوگئے۔

ناپاک عزائم کی ناکامی:

قصیٰ بن کلاب کی سربراہی میں ان خبیث سرداران مکہ جن میں عتبہ، شیبہ، ابوجہل اور امیہ بن خلف وغیرہ جیسے لوگ تھے، سرکار دوعالم کو قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ تفصیلی واقعہ آپ سنتے رہتے ہیں۔ کفار شہادت کے منصوبہ پر عمل کررہے ہیں، تدبیر کفار کی تھی مگر تقدیر اللہ کے ہاتھ میں تھی، اور ہمیشہ رہے گی۔ اپنے وعدہ **واللہ یعصمک من الناس** "اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے" کی لاج رکھتے ہوئے رب العالمین نے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملاکر اپنے رفیق غار حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں بحفاظت دشمنوں کے حصار سے نکال کر یثرب یعنی مدینہ منورہ پہونچ گئے۔ مکہ سے مدینہ تک صبر آزما اور کٹھن سفر کے دوران جو محیر العقول واقعات اور صعوبتوں سے واسطہ پڑا وہ اسلامی تاریخ اور سیرۃ رسول ﷺ کا حصہ بن کر روز محشر تک کلمہ گو مسلمانوں کے عبرت کیلئے بے شمار تعلیمات واحکامات پر عمل کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ خصوصاً یہ کہ جو مسلمان دل وجان سے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرلے تو اس راہ میں اگر گھر، مال اولاد غرض اپنی محبوب ترین چیز کو ترک کرکے ہجرت کرنا پڑے تو ہر قسم کی قربانی دے کر عزم سلیم، استقامت اور جوانمردی کا مظاہرہ کرکے اپنے صحیح، کامل مومن ہونے کا ثبوت دیا جائے، یہ نہ ہو کہ مصلحت اور مفادات کو مدنظر رکھ کر اسلام کے ایک ایک حکم کی نعوذ باللہ توہین وپامالی پر صرف نظر کیا جائے پھر بھی دعویٰ مسلمانی اور رحمۃ للعالمین کے رسول ماننے کا ہو۔

قرآن مجید کی بےحرمتی:

محترم سامعین! کئی دنوں سے عالم کفر مسلمانوں کے عظیم پیغمبر، اس پر نازل ہونے والی مقدس کتاب قرآن مجید، اسلامی شعائر مسلمانوں کی عبادت گاہوں وغیرہ کی سرعام توہین کی جارہی ہے۔ اول تو پوری امت مسلمہ بے حس اور ان کے حکمران کفار کے آلہ کار بن کر مسلم دنیا کے مسلمانوں کو ڈرا رہے ہیں کہ کفار کے ان ناپاک عزائم کے خلاف اگر احتجاج بھی کیا گیا تو ان ممالک میں لاکھوں مسلمان جو روزی کمارہے ہیں ان کا کیا بنے گا' گویا ان کے نزدیک رزق دینے والا (نعوذ باللہ) رب العالمین نہیں بلکہ ہر ایک نے جو مصنوعی اور جعلی آقا کا انتخاب کیا ہے وہی ان کو رزق ودولت دینے

والا ہے' ان دیار غیر میں رہنے والے سادہ لوح مسلمان بھی رزق ومال سے محرومی کے خوف سے اپنے اپنے ہم وطنوں کو اور پاکستان میں موجود بعض روشن خیال برملا اور بعض دبے الفاظ میں چشم پوشی اور مداہنیت کا درس دیتے رہتے ہیں۔ ایک چلو پانی میں ڈوبنے کا مقام ہے کہ جس اللہ اور رسول پر ہم ایمان لانے کے دعویدار ہیں انہوں نے ہمیں اسلام اور ایمان کے راہ میں بھوک وافلاس' شدید ترا ذیتوں کے موقع پر جس عزم واستقامت اور مقابلہ کا حکم دیا ہے ہم کس حد تک اس پر عمل کررہے ہیں۔

دفاع دین:

ہمیں ہر صورت میں اپنے دین پر قائم رہ کر اس کی تعلیمات واحکامات کا علم بلند کرنا ہوگا خواہ کتنی بمباری' قتل' سزا اور امدادوں کی بندش کی دھمکیاں دی جائی۔ چٹان کی طرح اپنے وحدت الٰہی اور رسالت مابﷺ کی حقانیت کا عقیدہ سینوں سے لگا کر ان کا دفاع کرنا ہے۔ حفاظت دین کا وعدہ تو اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے مگر ہمیں بھی مسلمان ہونے کے ناطے اپنے عزم ہمت اور استقامت کو بروئے کار لانا ہے' صرف دعوات سے کام نہیں چلے گا۔ دعوات کی قبولیت اور ظہور تب ہوگا کہ مسلم امہ بھی اپنے اسلاف کے نمونے کو اپنا کر راہ حق میں ہر قسم کی رکاوٹوں کی ہمت' استقلال سے سیسہ پلائی دیوار بن کر مقابلہ کریں۔

قرآنی واقعات میں سبق

گزشتہ انبیاء ان کے ساتھیوں کو جن اذیتوں کے طوفانوں سے گزرنا پڑا اور ان کے ہمت واستقامت کے جو واقعات آنخضرتﷺ نے امت مسلمہ کے سامنے پیش فرمائے جو انتہائی دردانگیز اور سبق آموز ہیں۔ ان کا مقصد صرف تاریخ کا بیان اور قصہ گوئی نہیں بلکہ اپنی امت کے سامنے حضورؐ کے ان احکامات اور حالات کے بیان کرنے کا جو اثر آپ کے قابل احترام ساتھیوں پر ہوا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ خود مالک کائنات رب العالمین نے بھی ان مصائب ومشکلات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (سورۃ عنکبوت) " کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ ایمان لاکر چھوٹ جائیں گے اور ان کو آزمایا جائے گا اور ہم نے آزمایا ہے ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے (اور یہ آزمائش اس وجہ سے ہوئی) کہ اللہ معلوم کرے ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور جو جھوٹے ہیں"

جنت بغیر آزمائش کے:

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے: جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں دخول سے حقدار بن جاؤ گے۔ جبکہ تم پر تمہارے وجود میں آنے سے پہلے موحدین پر جو سخت احوال آئے' وہ مصائب نہ آئیں۔ جن کو ایسی سختیاں اور تکالیف

پہنچتی رہیں ایسی اذیت ناک مظالم سے گزرنا پڑا کہ ایمان لانے والے حضرات اپنے رسول کے سامنے یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی ۔ (اللہ نے فرمایا) میری مدد تمہارے قریب ہے ۔ ان کی اسی استقامت کے نتیجہ میں جلد وہ وقت آیا کہ ان کے دشمن اللہ کے گرفت میں آگئے اور ان کا نام نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔

آسمان ہدایت کے ستارے:

محترم حاضرین! حضرت نوحؑ نے قریباً ساڑھے نوسو سال توحید کا جھنڈا بلند کرنے کی جدوجہد کی ۔ مگر آخر تک وہ اکیلے اس دعوت کے داعی رہے ۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس راہ حق میں ساتھ دینے کے لئے ملک کے چپے چپے میں انصار واعوان کی تلاش کی ۔ ماسوائے چند ساتھیوں کے کسی نے ان کی تائید نہ کی ۔ لیکن آقائے نامدار رحمت دو عالم ﷺ کے ساتھ صرف حجۃ الوداع کے موقع پر قریباً تیرہ ہزار جانثار صحابہ شریک سفر ہونے کے لئے تیار ہوئے ۔ جب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو انصار واعوان کی تعداد لاکھوں سے بڑھ چکی تھی ۔ ان مقدس صحابہؓ کے بے پناہ مصائب کو برداشت کرنے اور قربانیوں کا صلہ دنیا میں یہ ملا کہ آپؐ کے ذات گرامی اور نور ہدایت سے جو لوگ منسلک رہے وہ اب تک اسی آب تاب سے چمک رہے ہیں اور آسمان ہدایت کے ستاروں کی طرح ان کی ایمانی وروحانی چمک تا قیامت باقی رہے گی ۔ ہر ایک نے اپنی جگہ رہنما کی حیثیت حاصل کرلی ۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم** میرے صحابی ستاروں کے مانند ہیں جن کے نقش قدم پر چلو گے ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار ہوگے۔

حالانکہ اسلام کے ابتدائی دور میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ اس قدر غربت وناداری کا شکار تھے کہ کبھی تو یہ خطرہ لاحق ہوجاتا کہ مسلمانوں کی یہ مختصر تعداد کہیں دوبارہ مرتد ہونے کی راہ اختیار نہ کریں ۔ ان کے مخالفین کے پاس لالچ وترغیب کے تمام وسائل موجود تھے مگر ان پاکباز شخصیات نے اپنے قوت ایمانی اور استقامت سے کفار کے کسی چیز کو اثر انداز ہونے نہ دیا اور راہ حق سے ہٹانے کے تمام حربوں کو حقارت سے ٹھکرادیا ۔ کفار کے تشدد اور شیطانی مکاریوں کا اس بے جگری سے مقابلہ کیا کہ روز آخرت تک مٹی کے اس دھرتی پر فقید المثال ریکارڈ قائم کئے ۔ مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے جب حضرت عمر کو معلوم ہوا کہ اس کی بہن مسلمان ہوچکی ہے اتنا شدید مارا کہ اس کا پورا بدن خون سے تر بتر ہوا لیکن اس ناتواں صنف نے اس ہمت اور استقامت سے بھائی کو بتادیا کہ جو کچھ کرنا ہے کرو میں اسلام نہیں چھوڑ سکتی۔

حضرت خبابؓ کا واقعہ:

اللہ رسول ﷺ اور اس کے بتائے ہوئے دین سے محبت ہی کا اثر تھا کہ حضرت خبابؓ بن ارت کے بقول اسلام لانے کے جرم میں اسلام دشمنوں نے ہم پر تکالیف اور اذیتوں کی انتہا کردی، حتیٰ کہ ایک دفعہ زمین پر کوئلے جلا کر ان کو چت لٹا کر ایک بدبخت ان کے سینے پر پاؤں رکھ کر نیچے دباتا رہا، پیٹھ کے نیچے پڑے انگارے (خون کے رسنے کی وجہ سے) ٹھنڈے ہوگئے ۔ مدتوں بعد جب حضرت عمرؓ نے حضرت خبابؓ کی پیٹھ کھول کر دیکھی تو ظلم وکرب کی لرزانے

والی نشانیاں ان کی پشت پر موجود تھیں۔

عزم وہمت کے سپوت:

محترم حاضرین! یہ کسی ڈائجسٹ یا فرضی کہانیوں سے بھری کتاب کے دروغ گوئی پر مبنی واقعات نہیں بلکہ احادیث رسول ﷺ پر مشتمل قرآن کے بعد نیلے آسمان کے نیچے صحیح ترین کتاب بخاری شریف میں حق وسچائی پر مبنی واقعات ہیں۔

حضرت بلالؓ جو اسلام کے نور ہدایت سے روشنی حاصل کرنے حبشہ سے آئے تھے، مگر قریش کے ظلم وکفر کی چکی میں اسے سبق دینے کے لئے جلتی اور گرم آگ پر لٹانے کے بعد بھاری چٹانیں ان سے سینہ پر رکھ دی جاتیں، زمین پر گھسیٹتے رہے۔ ظالموں کی اس سے دشمنی صرف یہی تھی کہ وہ اسلام سے مالا مال ہوا۔ زمین پر گھسیٹتے ہوئے کفار یہی کہتے اسلام ترک کر دو اللہ کو وحدہ لاشریک کو ماننے کی بجائے ہمارے ساتھ کفر وشرک میں شامل ہو جاؤ مگر عزم وہمت کا یہ عظیم سپوت احد احد اللہ ایک ہی ہے کا نعرہ بلند کرتے رہے۔

جان چلی جائے مگر نبی ﷺ کے تلوے میں کانٹا نہ چبھے

حضرت خبیبؓ کو آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔ عاصم بن ثابت الانصاریؓ کی امارت میں کل گیارہ مبلغ تھے۔ مکہ کے قریب بنی لحیان قبیلہ کے سو مسلح کافروں نے ان کو گھیرا۔ سات مجاہد اسی جگہ شہید ہو کر مرتبہ عالیہ پر فائز ہوئے ان بچنے والوں میں حضرت خبیبؓ بھی تھے۔ اسے غلام بنا کر حارث بن عامر جسے خبیب نے معرکہ بدر میں واصل جہنم کیا تھا کے بیٹوں نے خریدا۔ حارث کے بیٹے عقبہ اسے اپنے گھر لائے۔ ہاتھ پیروں کو زنجیروں میں جکڑ دیا۔ روح کو تڑپا دینے والے مظالم کا نشانہ کئی مہینے بناتے رہے آخر کار قتل کرنے کا پروگرام بنا کر حرم کے نزدیک مقام تنعیم میں ایک درخت پر سولی پر لٹکایا۔ سولی پر چڑھانے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کی فرمائش کی۔ نماز پڑھ کر سولی کی طرف روانہ ہوئے زبان مبارک پر جو الفاظ تھے ان کا خلاصہ یہ کہ "یا اللہ تو ان کو شمار کر دے اور ان کو ایک ایک کر کے قتل فرما اور ان میں کسی کو زندہ نہ چھوڑ" ایک شقی القلب نے سولی پر ہی جگر کو پھاڑ کر پوچھا کیا تم اب یہ پسند کرو گے کہ تمہارے بدلے اس جگہ محمد ﷺ ہوتے اور تم اس اذیت سے بچ جاتے۔ محترم حضرات اس عاشق رسول کا جواب سنئے "میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میں بچ جاؤں اور اسکے بدلے نبی کریم صلعم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے۔" اس موقع پر اسے اسلام ترک کرنے کی صورت میں زندہ رہا کرنے کی آفر ہوئی۔ جواباً فرمایا خدا کی قسم تمام دنیا کی امارت اور خزانے بھی پیش کریں پھر بھی اسلام چھوڑنا میرے لئے محال ہے ان ایمان اور عزت سے عاری کم بختوں کو ہر طرف سے مایوسی ہوئی۔ عقبہ نے پھندا کھینچ کر اسلام کے اس غیرت مند اور استقامت سے معمور بندہ خدا کو شہید کر دیا۔

جرأت وہمت کے پہاڑ: اسی طرح کئی جلیل القدر صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی رسالت کے عقیدے پر تادم

آخر انتہائی عزم و استقلال سے قائم رہ کر اس راہ میں آنے والے ہر اذیت، مالی نقصانات و ہر فساد و رغبت خندہ پیشانی سے قبول کر کے کلمۃ اللہ کے سربلندی کا ذریعہ بنے۔ دین حقہ کے راہ میں حائل دیواروں اور رکاوٹوں کا مقابلہ صحابہؓ کے بعد تابعین، تبع تابعین، اولیاء اللہ، محدثین مجتہدین دین اور علمائے حق نے ہر دور میں جرأت، ہمت سے کر کے اسلام کا جھنڈا بلند رکھا۔ جن میں سے ہر ایک کا کارنامہ بیان کرنا اس مختصر وقت میں ناممکن ہے کبھی کبھی اپنے اکابر کی کارناموں سے روشناس ہونے کیلئے مستند اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا کریں۔

<u>ائمہ مجتہدین کی استقامت:</u> محترم سامعین! علماء اور طلباء کو معلوم ہے امام احمدؒ جو کہ بلند ہمتی، جفاکشی اور غیر معمولی حافظہ کے مالک تھے، ان کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں نے اپنی ذکاوت کی وجہ سے امام شافعیؒ سے اجتہاد و استنباط کے اصول سیکھ کر نامور مجتہدین میں ان کا شمار ہے امام شافعیؒ بھی ان کے ذکاوت، قابلیت اور فہم کے معترف اور قدردان تھے آخر تک فتنہ خلق قرآن پر ڈٹے رہے۔ مامون اور اسکے بعد اس کے حواریوں نے اس عظیم فقہی امام پر خالص علمی اور مذہبی مسئلہ پر اپنے راستے کو تبدیل کرنے کیلئے بے شمار مظالم کئے امام احمدؒ کو جیل میں ہاتھ و پیر باندھ کر اسی حالت میں ان سے اس مسئلہ پر مناظرہ کیا۔ لیکن امام اپنے عقیدہ پر مزید استقامت سے قائم رہے۔ معتصم کے حکم پر امام کو ۲۸ کوڑے سزا دی گئی۔ اس ظلم وستم کی عظیم داستان ہے جو امام احمدؒ نے دین حقہ کے حقانیت کی خاطر برداشت کی تفصیل آئندہ کبھی عرض کرونگا مگر استقامت کے اس عظیم پہاڑ کو کوئی صراط مستقیم سے نہ ہٹا سکا۔ دور جانے سے پہلے اپنے قریبی دور یعنی فرنگی استعمار نے برصغیر پاک و ہند سے (نعوذ باللہ) اسلام کو مٹانے کی جو ناپاک منصوبے بنائے علمائے حق خصوصاً علماء دیوبند نے ان کے ناپاک سیلاب کے سامنے بند باندھ کر ان کو ہندوستان سے بھگا کر ایک چھوٹے علاقہ میں محدود کر دیا جبکہ اسلام اور مسلمانی میں آئے روز اضافہ ہو رہا ہے۔

<u>ایفاء عہد کا اہتمام</u> محترم حضرات! ایسے باہمت، بے نظیر ثابت قدمی اور استقامت کا مظاہرہ کرنے والے اللہ کے برگزیدہ بندوں کیلئے ہر دو خطبات کے ابتداء میں ذکر کردہ آیت میں بشارت ہے کہ جن خوش نصیبوں نے دل سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کر کے مرتے دم تک پائے ثبات میں نہ لغزش آئی اور نہ تبدیلی ان کی تسلی اور اطمینان کے لئے جب یہ نیک بخت قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ فرشتے رب العزت نازل فرما کر ان کو نجات اور جنت کی بشارت دیں گے نیز ارشاد ہوگا کہ اب خوف و ڈرنے کا خطرہ باقی نہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تمہارے لئے خوشی، آرام و عیش ہوگا اور جس جنت کے تم سے وعدے کئے گئے تھے ان وعدوں کی تکمیل ہوگی جو خواہش دل میں ہوگی فوراً پوری ہوگی ہم دنیا میں بھی تمہارے ممد و معاون رہے اور آخرت میں بھی تمہارے شفاعت اور اعزاز و اکرام کا بندوبست کریں گے۔ رب کائنات مجھے اور آپ سب کو اللہ کی وحدانیت اور رحمۃ دو عالم ﷺ کی رسالت کا حقیقی اقرار اور اس دعوی پر استقامت سے قائم و دائم رہنے کی توفیق اور اس آیت کریمہ کا مصداق بنادیں۔ آمین

جناب ظفر اقبال

عہد رسالت ﷺ اور سائنس و ٹیکنالوجی

ترقی، سائنس، ارتقاء اور معیار زندگی کی بلندی کے مفروضات کی تلاش میں سرگرداں ہونے سے قبل اس سوال پر نہایت گہرے غور وفکر کی ضرورت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے کس موڑ پر تشریف لائے۔ جب آپؐ دنیا میں آئے تو اس دنیا کا کیا نقشہ تھا؟ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی نبوت کے لیے جس خطے کا انتخاب کیا اس کی جغرافیائی اہمیت وحیثیت کیا تھی؟

مکہ مکرمہ قدیم اور جدید جغرافیہ دانوں کی تحقیق کے مطابق دنیا کے وسط میں واقع ہے۔ گویا کائنات کی مرکزی ہستی ختمی مرتبت ﷺ کو کائنات کے مرکز میں مبعوث کیا گیا، اس بعثت کے ذریعے خانہ کعبہ کی مرکزیت کو دنیا کے لیے ایک مرتبہ پھر ابد تک قائم کردیا گیا کہ اب پوری دنیا کو رہتی دنیا تک اس مرکز خداوندی اور اس مرکزی ہستی رسالت مآب ﷺ کے ساتھ دائمی تعلق قائم کرنا ہے جو تمام عالمین کے لیے رحمت اور کـافۃ للناس ہیں اور آپ ﷺ کا پیغام پوری دنیا کے لیے آخری، حتمی، قطعی اور ابدی پیغام ہے۔

جزیرۃ العرب کی جغرافیائی اہمیت یہ ہے کہ دنیا کے تین براعظم اس سے ملتے ہیں۔ حج کی عبادت کے باعث دنیا بھر کے تجارتی قافلے جزیرۃ العرب کے ذریعے اس سرزمین سے، جو نہ صرف مرکز کائنات [Centre of Universe] بلکہ ازل سے ابد تک کے لیے مرکز رشد وہدایت بھی ہے، تجارت، کاروبار حج اور اسفار کے ذریعے مسلسل رابطے میں رہتے تھے اور پیغام رسالت مآبؐ ان قافلوں کے ذریعے مشرق و مغرب اور شمال وجنوب میں فطری طریقے سے پہنچ سکتا تھا۔ یہ پیغام لے جانے والے پیغام رسالت ﷺ کی صرف زبانی ترسیل نہ کرتے بلکہ پیغام دینے والے پیام بر کی سیرت اور شخصیت کے گوشوں سے بھی ذاتی طور پر واقف ہوتے تھے کیونکہ وہ قرآن مجسم رسالت مآب ﷺ کو جزیرۃ العرب کے گرد وغبار، در و دیوار، دیار و امصار، کوچہ و بازار اور نقش و نگار میں ایک نورانی وروحانی وجود کے طور پر چلتا پھرتا ہوا پاتے تھے۔ ایک لفظی قرآن تیس پاروں میں بند تھا اور دوسرا عملی قرآن مکہ کے گلی کوچوں میں شب و روز ان کے درمیان موجود تھا جس کے ایمان کی حرارت سے پتھر دل پگھل رہے تھے اور صحرا میں موجود ریت کے ذروں کو بھی شعور حاصل ہو رہا تھا۔ آپؐ کی سیرت کے گوشے ان کے لیے مہر جہاں تاب کی کرنوں کی طرح روشن تھے۔ یہ پیغام رسانی عین الیقین کے درجے میں ہوتی تھی۔

عالم عرب کے ایک جانب یونانی فلسفے، سائنس، منطق، تہذیب وتمدن کے آثار محفوظ تھے تو دوسری جانب

ایران، چین، ہند اور روم کی تہذیبیں اپنے علوم و فنون کی پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ تھیں۔ فلسفہ، سائنس، ٹیکنالوجی اور علوم عقلیہ میں جزیرۃ العرب ان اقوام سے مسابقت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، جس قوم، بنی اسماعیل، میں آپؐ تشریف لائے وہ اُمّیون تھے، صرف اہل کتاب اس خطے میں لکھنے پڑھنے سے واقف تھے، اس کے برعکس مدارس اور جامعات کے ذریعے تعلیم یونان، ہند، چین اور ایران کے خطوں میں عام تھی۔ ان خطوں سے متصل ماضی کی مٹی ہوئی تہذیبیں ہڑپہ، موہنجوداڑو، ٹیکسلا کے آثار بھی اس بات کی یاددہانی کراتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد سے پہلے کی عظیم الشان قوموں اور ان کے عہد میں موجود مخالف تہذیب و تمدن کے علوم عقلیہ [Natural Philosophy, Science & Technology] سے کچھ عطا نہیں کیا گیا۔

چین، ہند اور روم، یونان اور ایران کی عمارات کے مقابلے میں مدینۃ النبی میں کوئی ایک عمارت عہد رسالت میں تو کیا اس کے بعد بھی آج تک تعمیر نہیں کی جا سکی تو آخر کیوں؟ انیسویں صدی کے آخر تک مکہ معظمہ میں فراہمی آب و نکاسی فضلات [Water and Drainage system] کا کوئی باقاعدہ نظام موجود نہیں تھا، جبکہ رسالت مآب ﷺ کی آمد سے تین ہزار سال پہلے کی تہذیب موہنجوداڑو میں نکاسی غلاظت کا زبردست نظام موجود تھا۔ مدینۃ النبی میں اس طرح کی سڑکیں، گلیاں، بازار، مکان، سماعت گاہیں [Auditorium] اور یونیورسٹیاں، موجود نہ تھیں جو رسالت مآب ﷺ کی آمد سے پہلے موہنجوداڑو، ہڑپا، ٹیکسلا، یونان اور روم وغیرہ کی تہذیبوں میں موجود تھیں۔ اتنی عظیم الشان تہذیبوں قوموں اور تمدنوں کے مقابلے میں جو ہر قسم کے علوم و فنون سے آراستہ تھیں ایک ایسی ہستی کو کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا جو نہ لکھنا جانتی تھی نہ پڑھنا جانتی تھی اے نبی ﷺ! آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے: وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ [۲۹:۴۸]۔ ایسی ہستی کا انتخاب کرنے کی حکمت مالک الملک کے سوا کون جان سکتا تھا؟ عرب میں یہودی بھی لکھنے کے فن سے واقف تھے مگر اس فن کی خالق کائنات کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی کہ یہودی اس کتاب کو بھلا چکے تھے جو زندگی کا سرچشمہ تھی لہٰذا اس سرچشمے سے لاتعلقی کے بعد کوئی علم اور کوئی ہنر پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا، رسالت مآب ﷺ میں امی ہونے کی صفت کو عیب کے بجائے اس ہستی کے حق میں ہنر اور کمال قرار دیا گیا اور قرآن نے ''امی'' کے لقب سے آپؐ اور آپ کی قوم کو خود پکارا۔

یہ پکار یہ اعلان اس امر کا استعارہ ہے کہ اے اہل عالم! تمھاری نظر میں جہل اور علم کے دائرے، اس کے اصول و منہاج، پیمانے، اور معیارات، اسکے اندازے، اس کو پرکھنے کے تمام طریقے اور اس کی تمام تعریفیں بالکل غلط ہیں، تم عظیم الشان عمارتوں، کتابوں، کتب خانوں، اداروں، مدرسوں، فلسفوں، سائنس و منطق کو علم سمجھتے ہو مگر یہ کیسا علم و عقل اور کیسی روشنی ہے کہ تم حقیقت کلی اور مالک حقیقی کی معرفت سے محروم ہو، وہ علم جو تمھیں حقیقت الحقائق سے وابستہ

نہ کر سکے وہ قیامت تک علم نہیں جہل ہے۔ علم وہ ہے جو تمھیں اپنے خالق کی معرفت سے آگاہ کرے اور اپنی آخرت سنوارنے کے طریقے بتائے لہٰذا اصلاً اُمی رسالت مآب نہیں اہل یونان روم، ہند، چین وایران ہیں۔ جو ہدایت کی روشنی سے محروم ہیں جو اپنے مالک حقیقی کو پہچاننے سے قاصر ہیں جو اس نور سے محروم ہو اس سے بڑا محروم کون ہو سکتا ہے۔

امی ہونے کے باوجود رسالت مآب ﷺ پر علم کس ذریعے سے نازل کیا گیا؟ کیا قلم سے؟ جس کی قسم سورۃ علق میں کھائی گئی، کیا کتاب سے؟ جو اس عہد کے تمام بڑے تمدنوں میں موجود تھی؟ کیا قرطاس سے؟ جو اس عہد کے لوگوں کے لیے اجنبی نہ تھا؟ بلکہ علم آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل کیا گیا کہ یہی قلب علم کا اصل سرچشمہ ہے، انبیا اسی قلب کو درست کرنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں جس میں باطل نقب لگاتا رہتا ہے: ''ان سے کہو کہ جبرئیل نے اللہ ہی کے اذن سے یہ قرآن آپ کے قلب پر نازل کیا ہے'': قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ [۲:۹۷] اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب ﷺ کی رسالت کو قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے وسیع فرما دیا اور آپ پر نبوت کا اختتام کر دیا آپ کافۃ للناس ہیں، آپ کی ہستی کو اللہ تعالیٰ نے ابد تک کے انسانوں کی زندگی سنوارنے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث فرمایا: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ [۶۲:۲] ان زمانوں کے لیے بھی جو سائنس و ٹیکنالوجی میں سب سے آگے ہونے کا دعویٰ کریں، قرآن نے واضح کر دیا کہ اور [اس رسول کی بعثت] ان دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں: وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ [۶۲:۳]۔

رسالت مآب ﷺ کو اپنے عہد کے عظیم الشان تمدنوں کے سامنے کھڑا کر کے دنیا کو قیامت تک کے لیے بتا دیا گیا کہ اصل علم و دانش اور روشنی و نور وحی الٰہی اور علوم نقلیہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس روشنی، نور اور دانش سے محروم معاشرے مادی طور پر خواہ کتنے ہی عظیم الشان ہوں وہ تاریک ترین اور جہالت میں غرق ہیں اور ان کو جہالت سے نکال کر روشنی میں لانا امت وسط کی بنیادی ذمے داری ہے، جو صبح قیامت تک برقرار رہے گی۔ رسالت مآبؐ کو قرآن نے سراج منیر کے نام سے پکارا اس لیے کہ العلم، الکتاب آ جانے کے بعد روشنی اور علم آ جاتا ہے اور ''امیت'' باقی نہیں رہتی لہٰذا قرآن نے اُمّی ان کو کہا جو اپنی قوم کے ایک بے مثال فرد پر روشنی، نور، فرقان، میزان، فصل الخطاب، حُکم، لُب، ضیاء، ذکر، حکمت، خیر کثیر اور العلم نازل ہونے کے باوجود اس سے دانستہ محروم رہے، جو الکتاب کے نزول کے باوجود اس نور سے پھوٹنے والے علم سے بے بہرہ تھے ان میں ایک دوسرا گروہ امیوں کا ہے جو کتاب کا تو علم نہیں رکھتے بس اپنی بے بنیاد آرزوؤں اور امیدوں کو لیے بیٹھے ہیں اور محض وہم و گمان پر چلے جا رہے ہیں: وَ مِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ [۲:۷۸] کتاب ہدایت سے محرومی اور العلم کے مقابلے میں

وہم و گمان کی پیروی اور بے بنیاد امیدوں و آرزوؤں کے لیے سرگرمی "امیت" ہے اور اسے ترک کرنا نور، روشنی، برہان، فرقان، عرفان، ایمان، سراج اور چراغ ہے۔ اس روشنی کا نتیجہ وہ عظمت و شوکت، رعب و دبدبہ، ہیبت و فضیلت اور اعزاز و اکرام، ہے جو حامل وحی گروہ کو روئے زمین پر عطا کی جاتی ہے: "مگر دیکھ لو دنیا ہی میں ہم نے ایک گروہ کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت میں اس کے درجے اور بھی زیادہ ہوں گے اور اس کی فضیلت اور بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوگا": كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ...... اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا [۱۷:۲۰،۲۱] اس فضیلت کا ایک اثر قرآن نے یہ بھی بیان کیا کہ اس گروہ کے کردار، اقبال اور گفتار کے باعث اللہ تعالیٰ اہل عالم کے دلوں میں ان کے لئے محبت پیدا فرمادیں گے: الرحمان وداً [۱۹:۹۶] یہ عزت، محبت، برتری اور فضیلت سائنس ٹیکنالوجی کی بنیاد پر نہیں علم صحیح اور اعمال صالحہ کے صلے میں عطا ہوگی۔ اس محبت کا سبب ان کی اخلاقی و روحانی ایمانی فضیلت ہوگی اور کچھ نہیں۔ قرآن کے الفاظ میں یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمان ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔ پس اے نبی ﷺ اس کلام کو ہم نے آسان کر کے تمھاری زبان میں اس لیے نازل کیا ہے کہ تم پرہیزگاروں کو خوش خبری دے دو: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ...... فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا [۱۹:۹۶،۹۷] حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنے رب سے اپنی اولاد کے لیے دعا فرماتے ہوئے یہ آرزو کی تھی کہ "لہٰذا آپ لوگوں کے دلوں کو ان [اپنی اولاد] کا مشتاق بنا دیجیے اور انھیں کھانے کو پھل دیجیے۔ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ [۱۴:۳۷] یہ مرتبہ اور فضیلت تاریخ کے کسی بھی دور میں، کسی بھی مرحلے پر، کسی بھی وقت حاصل کی جاسکتی ہے لیکن جدیدیت کے زیر اثر عہد حاضر کے بعض راسخ العقیدہ مسلمان حلقے بھی اب اس فضیلت کے کچھ زیادہ قائل نہیں رہے ہیں، انکے خیال میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے بغیر فضیلت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور کم از کم عصر حاضر میں صرف اخلاق اور کردار پیدا کرنے سے کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا، بالفاظ دیگر امت کی علیت اور مابعد الطبیعیات رفتہ رفتہ تبدیل ہو رہی ہے۔ تو کیا سائنس و ٹیکنالوجی کا انکار کر دیا جائے؟ سوال انکار و اقرار کا نہیں اصول کا ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو اس لیے تباہ نہیں کیا کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئی تھی بلکہ اس لیے تباہ کیا کہ وہ گناہ گار زندگی میں بہت آگے بڑھ گئی تھی اور پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھی اور کسی قوم کو عروج اس لیے عطا نہیں فرمایا کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں اپنی مقابل تہذیب سے بڑھ گئی تھی۔ استخلاف فی الارض پاکیزگی قلب و نظر سے مشروط کیا گیا ہے، سائنس و ٹیکنالوجی زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ کے درجے میں ہے لیکن اب امت صرف اس کے حصول کو واحد فریضہ

دینی تصور کر رہی ہے۔ فرض کفایہ نے افضل ترین فرض کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ یہ ہے فکر و نظر میں تبدیلی کہ فضیلت، برتری، کامیابی اور استخلاف کا واحد سبب محض سائنس و ٹیکنالوجی کو سمجھ لیا گیا ہے۔ پوری امت اسی کی تعلیم و تحصیل کو افضل ترین علم تصور کر رہی ہے لیکن اس کے باوجود اس کے زوال کی رات مزید گہری ہو رہی ہے۔ امید کا مرکز العلم اور الکتاب نہیں بلکہ وہ علم ہو گیا ہے جو مغرب نے تخلیق کیا ہے اور ہم صرف اسی علم کی آرزو سے تبدیلی کی صبح کا انتظار کر رہے ہیں۔

یہ وہ بنیادی تغیر، رویہ اور سوچ ہے جس نے امت کیلئے بلندی کے تمام راستے مسدود و محدود کر دیئے ہیں۔ قرآن میں عروج و زوال سے متعلق آیات میں ایک آیت بھی ایسی نہیں بتائی جاسکتی جو عروج کو صرف اور صرف سائنس و ٹیکنالوجی کے حصول سے مشروط کرتی ہو، نہ ہی استخلاف کی کسی آیت میں کسی نبی کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ زمین میں اقتدار کے بعد سائنس و ٹیکنالوجی کے علم کی تدریس و تعلیم کو اولیت دیں گے، ہر جگہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے جس علم کو جو مرتبہ و مقام دیا گیا ہے اس مرتبے و مقام سے اسے ہٹا دیا جائے تو یہ عدل نہیں ظلم ہے اس ظلم کے اقرار اور اس پر تین سو برس سے مسلسل اصرار کے باوجود امت کا حال کیا ہے؟ ملیشیا، ترکی، ایران، سوڈان، مصر اور پاکستان تمام تر دعوؤں کے باوجود نہ دین میں آگے ہیں نہ دنیا میں شکست کی رات مسلسل طویل ہو رہی ہے۔

قرآن حکیم نے عروج و زوال کے قانون میں کہیں سائنس و ٹیکنالوجی کو زوال یا عروج کا سبب قرار نہیں دیا۔ اسی لیے اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے [۴۹:۱۳] سائنس داں اور ٹیکنالوجسٹ ہونا کوئی عظمت نہیں۔ اسی لیے صحابہ کرام رسالت مآب ﷺ کیساتھ رکوع و سجود میں اللہ کے فضل کی تلاش کیلئے سرگرداں رہتے تھے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا [۴۸:۲۹] تسخیر کائنات، تسخیر ارض اور سائنس و ٹکنالوجی کی تلاش میں انھیں سرگرداں نہیں پایا گیا اسی لیے قرآن نے بتایا کہ گناہ عظیم پر اصرار کرنے والے جہنم میں ہوں گے: اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ...... وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ [۵۶:۴۶،۴۵] سائنس و ٹیکنالوجی نہ جاننے والوں یا اس میں پیچھے رہ جانے والوں کو قرآن کی کسی ایک آیت میں بھی جہنم کی وعید نہیں سنائی گئی، آخر کیوں؟ حضرت ابراہیم کو ایک ذی علم لڑکے کی پیدائش کا مژدہ سنایا گیا: فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ [۵۱:۲۸] تو اس علم سے مراد سائنس و ٹیکنالوجی کا علم نہیں خالق کائنات کی معرفت اور آخرت کی حقیقت کا علم مراد تھا۔ حضرت یحییٰؑ کو اللہ نے بچپن میں حکم سے نوازا یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا [۱۹:۱۲] جبکہ حکم کی یہ صفت دیگر انبیاء کو نبوت کے

ساتھ عطا کی گئی یہ حکم کیا سائنس وٹیکنالوجی تھا؟

کفار ومشرکین کی تباہی کا سبب یہ تھا کہ ان کے سامنے ان کے رب کی آیات میں سے جو آیت بھی آتی ہے یہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے: وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ [۳۶:۴۶] ایسے تمام افراد اور تمام قوموں پر اللہ کا عذاب ان کے گناہوں کے باعث نازل ہوا: فکلا اخذنا بذنبہ [۲۹:۴۰] اور مومنین کی کامیابی کا سبب یہ تھا کہ وہ گناہگار زندگی سے نفرت کرتے تھے پاکیزہ زندگی بسر کرتے اور اس دنیا کو گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ذمے دار بنائے گئے اس لیے جو آخرت کا خواہش مند ہو اور اس کے لیے سعی کرے جیسی کہ اس کے لئے سعی کرنی چاہیے اور ہو وہ مومن تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہوگی [۱۷:۱۹] اللہ اپنے بندوں کا نہایت خیر خواہ ہے: يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ [۳:۳۰] وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا: مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا [۱۸:۵۱]، اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ [۹:۷۰]۔ اور تمہارا رب بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے اگر وہ ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑنا چاہتا تو ان پر فوراً عذاب بھیج دیتا فَاَتْبَعَ سَبَبًا [۱۸:۸۵ الکہف] اسی لیے اس نے رحم وکرم کا شیوہ اپنے لیے لازم کرلیا ہے [۶:۳۵] اس رحمت کے باعث وہ فوراً سزا نہیں دیتا، اگر وہ کہیں لوگوں کو ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑتا تو زمین کی پشت پر ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک معین مدت تک مہلت دے رہا ہے [۳۵:۴۵] لہٰذا وہ انسان کو مہلت عمر دیتا ہے کہ وہ عہد الست کو یاد کر کے اپنے خالق کی پناہ میں آجائے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی سبق لینا چاہتا تو سبق لے سکتا تھا [۳۵:۳۷] انسان نے وہ قرض ادا نہیں کیا جس کا اللہ نے اسے حکم دیا تھا: كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ [۸۰:۲۳] یعنی بھلائیوں کی طرف دوڑنے والے نیکیوں میں سبقت کرنے والے: اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ [۲۳:۶۱] اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے لیے عرصۂ حیات کا تعین اس لیے فرمایا کہ ان کے اندر جو خیر مخفی ہے اس کو ظاہر ہونے کا موقع عطا فرمائے اور یہ عمر اس خیر کے ظہور میں آنے کے لیے بہت کافی ہے لیکن یہ انسان عہد الست کو یاد کرنے کے بجائے ویسی ہی بحثوں میں پڑ گئے جیسی بحثوں میں پچھلی گمراہ قوموں کے لوگ پڑے تھے: كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ [۹:۶۹]

مومنین اس دنیا کو عیش کی بجائے مشقت، آزمائش اور امتحان کی جگہ سمجھتے تھے کیونکہ انسان کو مشقت میں پیدا کیا گیا ہے [۴۰:۹۰] اور عیش صرف جنت میں میسر ہوگا جہاں ہر خواہش پوری ہوگی [۱۶:۲۵] جو کچھ [جنت میں] وہ طلب کریں گے ان کے لیے حاضر ہے [۵۷:۳۶] اور جہاں کسی قسم کی مشقت ہوگی نہ تکان لاحق ہوگی [۴۸:۱۵، ۴۸:۱۵، ۳۵:۳۵] لہٰذا کفار دنیا میں عیش وعشرت تلاش کرتے ہیں مومن اسے جنت کے حصول تک ملتوی کردیتے ہیں اور سادہ زندگی کو اپنے پیغمبر کی اتباع میں اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیتے ہیں۔ کفار کو جب اقتدار ملتا ہے تو وہ اس زمین کو جنت ارضی بنانا چاہتے ہیں ان کی دوڑ دھوپ دنیا سے زیادہ سے زیادہ تمتع پر مرکوز رہتی ہے اور مومنین استخلاف فی الارض کی نعمت ملنے کے بعد نماز، زکوٰۃ کا نظام قائم کرتے اور معروف کی تلقین ومنکر کا خاتمہ کرتے ہیں: اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ [۲۲:۴۱] وہ متاع دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے [۱۵:۸۸، ۲۰:۱۳۱، ۱۸:۲۷] نماز انھیں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے کہ یہ دین کا ستون ہے۔ اور کفر اور اسلام میں حد فاصل ہے اس لیے قرآن میں آتا ہے ''اور جہاں بھی تم ہو اسی [مسجد حرام] کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو تاکہ لوگوں کو تمھارے خلاف کوئی حجت نہ ملے: وَ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡہَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَ حَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ شَطۡرَہٗ ۙ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَیۡکُمۡ حُجَّۃٌ ٭ۙ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡہُمۡ ٭ فَلَا تَخۡشَوۡہُمۡ وَ اخۡشَوۡنِیۡ ٭ وَ لِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ وَ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ [۲:۱۵۰] یہ آیت کفر واسلام میں حد کا تعین کرتی ہے ارشاد ہے اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو: وَ اۡمُرۡ اَہۡلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَ اصۡطَبِرۡ عَلَیۡہَا ؕ لَا نَسۡـَٔلُکَ رِزۡقًا ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُکَ ؕ وَ الۡعَاقِبَۃُ لِلتَّقۡوٰی [۲۰:۱۳۲] مومنین کو تجارت خرید وفروخت اللہ کی یاد اقامت نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی: رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۪ۙ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ [۲۴:۳۷]۔ نماز کے بغیر ایمان معتبر نہیں ہے اس لیے سورۂ توبہ میں مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئی تو یہ بھی کہا گیا کہ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کردیں تو انھیں چھوڑ دو: فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡہُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡہُمۡ وَ خُذُوۡہُمۡ وَ احۡصُرُوۡہُمۡ وَ اقۡعُدُوۡا لَہُمۡ کُلَّ مَرۡصَدٍ ۚ فَاِنۡ تَابُوۡا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوۡا سَبِیۡلَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ [۹:۵]

نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی مخلوق کا حق ہے ان دونوں حقوق کے بغیر ایمان قابل قبول نہیں ہے، اسی لیے حضرت ابوبکرؓ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جنگ کی اور فرمایا کہ اگر یہ اونٹ کی رسی کے برابر زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کریں گے تو ان کے خلاف جنگ ہوگی اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں ہوسکتی۔

دنیا بھر میں کروڑوں مسلمان بھوک وافلاس سے مجبور ہیں فقر وفاقہ لاکھوں مسلمانوں کو کفر کے قریب لے

گیا ہے لیکن ان خوشحال مسلمانوں کو ان بے کس و بے بس مجبور و بے نوا مسلمانوں کی کوئی فکر نہیں دنیا دار علما نے انھیں یہ سبق سکھا دیا ہے کہ خوب کھانے اور اچھا پہننے میں کوئی حرج نہیں: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔کیا قرآن کی اس آیت کا محل یہی ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم بھوک سے مر رہے ہوں اور یہ اللہ کی نعمتوں کی شکر گزاری کے نام پر عیش و عشرت میں مصروف ہوں؟ پورے عالم اسلام کا یہی حال ہے بھارت کے مسلمان جو سب سے زیادہ اذیت، تکلیف اور مصیبت میں ہیں ان کا حال اس غلامی میں یہ ہے کہ جامع مسجد دہلی کے صحن میں پتنگیں اڑائی اور لڑائی جاتی ہیں اور بو کاٹا کے نعرے لگا کر مسلم پتنگ باز ایک دوسرے پر جھپٹتے اور دوڑتے پھرتے ہیں۔

ممتاز محقق ڈاکٹر عارف نوشاہی اپنے سفر نامے ''ارمغان ہندوستان'' میں لکھتے ہیں: ''مسجد جمالی کے باغیچے یعنی صحن کے گھاس پر بیٹھے تین آدمی تاش کھیل رہے تھے میں جوتے اتار کر مسجد میں داخل ہوا تو آگے دالان میں ایک بھنگی جوتوں سمیت مسجد کی صفائی کر رہا تھا''۔ دہلی کی جامع مسجد کے بارے میں ان کے تاثرات دیکھیے: مسجد کے صحن میں اتنے نمازی اور سیاح نہ تھے جتنے پتنگ باز لڑکے پتنگ بازی میں مصروف کوئی انھیں روکنے والا نہ تھا، لگتا ہے ہندوستانی تاریخی مسجدیں تاش بازی اور پتنگ بازی کے لیے رہ گئی ہیں۔ [تفصیلات کے لیے ارمغان ہندوستان سفر نامہ عارف نوشاہی اور خلاصے کے لیے ماہنامہ الزبیر شمارہ ۴۔ ۲۰۰۸ء ص ۱۶۵] ۔خدانخواستہ غیر مسلم اگر مساجد کے صحن ،آنگن باغ میں پتنگ اڑاتے نظر آتے تو حفاظت دین کے نام پر ان کے خلاف فساد برپا ہو جاتا لیکن خود جو چاہے کریں یہ وہ رویہ ہے جو مسلم قوم پرستی کے بطن سے جنم لیتا ہے، عجیب واقعہ ہے کہ ایک ہندو قبلہ رخ ہو کر حوائج ضروریہ سے فراغت میں مصروف تھا ایک مسلمان نے دیکھا تو دینی حمیت کے باعث اس پر شدید ناراضگی، غصے، رنج اور دکھ کا اظہار کیا، ہندو شرمندہ ہوا معذرت کی کہ آپ کی دل آزاری ہوئی کچھ دنوں بعد ہندو نے اسی مسلمان کو یہی عمل قبلہ رخ ہو کر دہراتے دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ آپ نے منع کیا تھا پھر یہ عمل آپ کے لیے کیسے روا ہو گیا؟ جواب ملا یہ کعبہ ہمارا ہے ہم اس کے ساتھ جو چاہیں کریں تم غیر مسلم ہو تم نہیں کر سکتے۔ امت مسلمہ ان دنوں اسی افراط و تفریط کا شکار ہے۔ اس کی بنیادی وجہ علم اور تربیت کی شدید کمی اور بعض ہنگامی اسلامی تحریکوں کی روحانیت سے عاری جذباتیت اور شدت پسندی ہے۔ جس کے باعث مسلم قوم پرستی کا شجر مسلسل برگ و بار لا رہا ہے۔

رسالت مآب کو حکم دیا گیا ''اگر ہم چاہتے تو ایک ایک بستی میں ایک ایک خبردار کرنے والا اٹھا کھڑا کرتے پس اے نبی کافروں کی بات ہرگز نہ مانیے اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ زبردست جہاد کیجیے: جھاداً کبیرا وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ کُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ...... فَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا کَبِیْرًا [الفرقان ۵۲۔۵۱] ان آیات میں بتا دیا گیا کہ قیامت تک کے لیے سرچشمۂ روشنی کے طور پر کل دنیا کے لیے رسالت مآب کافی ہیں جس طرح ایک سورج سارے جہاں کے لیے کافی ہوتا ہے

؎ لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں اک طلوع آفتاب دشت و چمن سحر سحر

اہل کفر سے جہاد کے لیے رسالت مآب کو علوم عقلیہ اور آلات سائنس کے بجائے قرآن دیا گیا اور کہا گیا کہ اس کو لے کر کفار سے زبردست جہاد کرو۔ عہد حاضر کا مسلمان اس قرآن کو ایک طرف رکھ کر جہاد کا علمبردار ہے۔ روز قیامت اس امت سے اللہ تعالیٰ یہ سوال کریں گے کہ اس نے اس ذمہ داری کو کس درجے میں پورا کیا۔

اسی لیے جمعہ کے خطبوں میں دنیا بھر کی مساجد میں یہ حدیث پڑھی جاتی ہے کہ: ''خیر القرون قرنی'' سب سے بہترین زمانہ عہد رسالت کا زمانہ ہے اور سب سے بہترین لوگ: السابقون الاولون ہیں جب ہم کہتے ہیں کہ خیر القرون سب سے بہتر زمانہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خشیت و معرفت الٰہی آخرت کے خوف اور دنیا سے نفور کے اعتبار سے وہ عہد مثالی و معیاری عہد تھا جب آخرت غالب تھی اور دنیا غیر اہم، کسی دل کو دنیا محبوب و مطلوب نہ تھی، حضرت خالد بن ولیدؓ جیسا سپہ سالار بھی دنیا سے کوئی رغبت نہ رکھتا تھا، جب انتقال ہوا تو ترکے میں صرف ایک گھوڑا اور تلوار تھی، وہ بھی امت کے لیے وقف فرما دیئے تھے اور اس بات کا رنج تھا کہ شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ خیر القرون کا یہی مطلب ہے کہ دنیا غیر اہم اور مری ہوئی بکری سے زیادہ حقیر اور آخرت ہر شے سے زیادہ اہم ہو جائے، اس یقین کے بغیر امت کا عروج ممکن ہی نہیں۔ ان معنوں میں مسلمانوں کیلئے امید و آرزو، روشنی و نور، معیار و وقار و اعتبار، اور عظمت و شوکت کی ہر راہ ماضی سے پیوستہ ہو کر عہد رسالت ﷺ کے مدینۃ النبیؐ سے وابستہ ہو جاتی ہے، اور اس امت کی ذمہ داری یہ بن جاتی ہے کہ وہ تاریخ کے پہیے کو مسلسل عہد رسالت کی طرف موڑنے، خیر القرون سے وابستہ رکھنے اور پیچھے کی طرف بار بار پلٹانے کی کوششوں میں مصروف رہے اور ہر اس حرکت، جدوجہد، کوشش کو ترک کر دے جو مارکس، ہیگل اور مغربی فلاسفہ کے کافرانہ فلسفوں کے تحت ارتقا کے تاریخی سفر کے کفر کو عام کرتی ہے۔ تاریخ کے اس جدلیاتی نظریے کے مطابق ہر اگلا دور پچھلے دور سے بہتر ہوتا ہے اور ہر آنے والی نئی نسل گزر جانے والی نسلوں سے بہتر، زیادہ عاقل و بالغ، وسیع النظر اعلم اور زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے۔

اسلامی تہذیب و تاریخ و علمیت میں اس قسم کے افکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ عہد رسالت سے بہتر زمانہ بہتر دور نہ آسکتا ہے نہ آسکے گا اور اس دور کا احیا، اس کی جدوجہد، اس روشنی کی جستجو اور جدوجہد اور جستجو کی خاطر زندگی وقف کر دینا یہی مطلوب دین ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ عہد رسالت سب زمانوں سے بہتر ہے تو اس اعتراف و اعلان کا کیا مطلب ہے؟ کیا عہد رسالت کا طرز معاشرت تہذیب انداز نشست و برخاست سادگی جمالیات سادہ ترین زندگی اب ہمیشہ کے لیے متروک ہو چکے ہیں یا اس کا احیا ممکن ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمارا طرز زندگی فرعون کا ہو، اور اس طرز زندگی میں خیر القرون کی روحانیت کو داخل کر دیا جائے؟ کیا دنیا کو ترجیح دینے والے نفس، نظام زندگی، معیشت، معاشرت تہذیب و ثقافت میں عہد رسالت کی روحانیت داخل کی جا سکتی ہے؟ جدید طرز زندگی کے اندر اسلام کی

روحانیت داخل کرنے کی آرزو محض سادگی کی انتہا ہے لہٰذا جب بھی دنیا پرست طرز زندگی دین میں داخل ہوگا اور دین دوسرے دروازے سے رخصت ہونے کے بجائے اس جدید مادی ڈھانچے میں تعمیر وتشکیل کے مرحلے سے گزر کر جدید مادیت کی اسلام کاری کرے گا تو روحانیت اس پیکر مادی سے خود بخود رخصت ہوجائے گی۔ دو مختلف طرز زندگی دو مختلف ومتضاد مابعدالطبیعیات سے نکلنے والے ادارے، اقدار وروایات، علوم، رویے، اسالیب ومناہج، اور طرائق ایک تہذیب میں نہیں سموئے جاسکتے، اس لیے گزشتہ سو برس میں عالم اسلام کے اخلاقی روحانی بحرانوں کا سبب یہی دوئی [Dualism] ہے جس کو جاری رکھنے کی علمی دلیلیں دنیا پرست علما مسلسل دے رہے ہیں۔

نفس پرستی اور نفس کشی کی متضاد روایات ایک ساتھ نہیں چل سکتیں۔ کیا خیرالقرون کے عہد کی کیفیات اس دور کی سادگی اور دنیا سے کم سے کم تمتع کی روایت کے بغیر روحانیت کا منبع کچھ اور بھی ہوسکتا ہے؟ کیا اس جدید تہذیب تمدن اور طریقوں کو لفظ بہ لفظ ارتقائے زمانہ کے نام پر اختیار کرلیا جائے جس کے نتیجے میں لوگوں کا زندگی بسر کرنا بلکہ مغرب میں لوگوں کا مرنا بھی ناممکن ہوگیا ہے؟ برطانیہ جیسے ملک میں تدفین کی رسومات پر چار پانچ ہزار پونڈ خرچ ہوتے ہیں لہٰذا اب تدفین کی رسم کے لیے بھی انشورنس متعارف کرایا گیا ہے، صنعتی انقلاب کے نتیجے میں کینسر جیسی کئی موذی اور مہلک بیماریوں کے جدید علاج نے موت کا حصول بھی مشکل بنادیا، علاج سے مرنے کے لیے لاکھوں روپے کی ضرورت ہے۔ سات ہزار سال کی تاریخ میں سترہ تہذیبوں میں جہاں کبھی خودکشی کی روایت نہیں رہی۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ خودکشی جدید طرز زندگی کے طور پر عام ہورہی ہے، غربت، معیار زندگی کی آرزو، خوابوں سے بھرپور الف لیلوی پرتعیش زندگی، چکاچوند سے معمور زرق برق خوابناک طرز حیات جو صرف میڈیا پر دکھائی دیتا ہے جدید ایجادات اور ان کی اشتہار بازی سے بے شمار مہلک دماغی، جسمانی اور روحانی امراض مسابقت کی دوڑ میں ناکامی کے باعث پیدا ہورہے ہیں، ان مہلک امراض کے علاج اتنے مہنگے ہیں کہ زندگی بہ خوشی ہار دینا اور خودکشی کرلینا زیادہ آسان ہوگیا ہے، جو موت قسطوں میں لاکھوں روپے خرچ کرکے ملتی ہو جس کے باعث خاندان، جائیداد، عزتیں اور عورتیں سب بک جاتی ہوں مگر مریض پھر بھی صحت مند نہ ہوتا ہو تو سب کے لیے خودکشی کے راستے کھل جاتے ہیں اسی لیے خودکشی عام ہورہی ہے خواہ وہ دنیا کے غریب علاقے ہوں یا امیر خطے اس کا سبب شاعر عارف شفیق نے صرف دو مصرعوں میں بتادیا ہے:

غریب شہر تو فاقے سے مرگیا لیکن — امیر شہر نے ہیرے سے خودکشی کرلی

کسی کے پاس کھانے کو روٹی نہیں اور کسی کے پاس کھا کے مرنے کیلئے ہیرا ہے، یہ خدا بیزار معاشروں کا انجام ہے۔

خودکشی صرف غریب آدمی نہیں کررہا، بڑے بڑے امرا کررہے ہیں، ان یورپی ممالک میں ہورہی ہے جہاں آمدنی اور عیاشی سب سے زیادہ ہے، جن کو ہمارے جدیدیت پسند مسلم مفکرین بڑی حسرتوں سے دیکھتے ہیں اور جیسے ہی کسی یورپی ملک سے سفر کرکے آتے ہیں فوراً مدح وثنا کے لیے سفرنامے لکھتے اور اسلام سے ٹریفک کا نظام ثابت

کرنے لگتے ہیں، مغرب میں محبت، خاندان، رشتوں، روابط، مذہب، اقدار اور اخلاقیات کی موت کے باعث لوگوں کی زندگی بے معنی [meaningless] ہو چکی ہے اس کو معنی دینے کا طریقہ گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈ ہے، مگر زندگی پھر بھی بے معنی ہی رہتی ہے نہ خاندان، نہ ماں، نہ بیوی نہ بچے آدمی کس کیلئے جیے کس کیلئے مرے کس کیلئے قربانی دے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے ہی لیے مرجائے، ہائیڈیگر کے الفاظ میں یہ ''فاتحانہ موت'' آج مغرب کی پسندیدہ تہذیب ہے جسے تیزی سے مقبولیت حاصل ہو رہی ہے، عہد حاضر کا سب سے بڑا فلسفی گلز ڈیلوز [Gills Delluze] اس عہد کے مسائل پر سوچتے سوچتے پاگل ہو گیا وہ ان مسائل کا کوئی جواب نہ دے سکا تو اس نے ہسپتال کی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔ اسے صدمہ ہے کہ انسان ابھی تک آزاد نہیں ہو سکا، باپ بیٹی، ماں اور بیٹے کے رشتوں میں مساوات کے فلسفے کے باوجود ابھی تک احترام قائم ہے۔ یہ تعلقات ابھی تک مکمل ناپاک نہیں ہوئے۔ اسے شکایت یہ ہے کہ Incestuous Relations عام کیوں نہیں ہو گئے۔ حالانکہ مغرب میں مساوات کے فلسفے کے باعث حقیقی خونی رشتوں میں جنسی جبر کی شکایات عام ہیں۔ تاریخ انسانی میں کبھی کسی فلسفی نے اس بے بسی کیساتھ اپنی جان کا نذرانہ پیش نہیں کیا۔ جدید مغربی تہذیب اس کی سائنس، ٹیکنالوجی اور اس کے بطن سے پھوٹنے والے مسائل گلز ڈیلوز کی خودکشی کا سبب ہیں، سوئٹزرلینڈ، ناروے، سویڈن، جرمنی اس وقت عصری تاریخ کے ترقی یافتہ، امیر، سہولتوں سے آراستہ اور جدید فتوحات سے مزین بہت محدود آبادی کے حامل معاشرے ہیں، لیکن سب سے زیادہ خودکشی کی شرح ان خطوں میں ہے تو آخر کیوں؟ مادی ترقی کی معراج پر پہنچنے کے بعد بھی کیا کسی شئے کی ضرورت باقی رہ گئی؟ انسان خودکشی کیوں کرتا ہے؟ کیا اسے خودکشی کرنی چاہیے؟ خودکشی کیوں کی جاتی ہے؟ فلاسفہ کے یہاں اس پر دلچسپ بحث ملتی ہے۔ کانٹ کے خیال میں انسانی ذہن بارہ حصوں میں منقسم ہے۔ ہیگل کے خیال میں انکی تعداد ۱۰۵ ہے۔ کانٹ کے خیال میں کوئی عقل مند آدمی خودکشی نہیں کر سکتا۔ ہیگل کے خیال میں خودکشی انسان ہی کرتے ہیں جانور کبھی خودکشی نہیں کرتے۔ کیا عہد حاضر کا انسان جانور سے بھی گیا گزرا ہے یا خودکشی کوئی قابل فخر کام ہے۔ عہد حاضر میں زندگی اتنی اذیتناک کیوں ہو گئی ہے؟

زندگی یقیناً اذیت ناک ہے اس لیے کہ عہد حاضر کے انسان کی آرزوئیں اور تمنائیں میڈیا اور اشتہارات کی صنعت نے بہت بڑھا دی ہیں اس کے نتیجے میں انسان Scarcity کے جدید مادی و روحانی بحران کا شکار ہو گیا ہے جس کا آخری حل خودکشی ہے۔ جزیرۃ العرب کی سخت ترین زندگی میں شب و روز بسر کرنے والے مشرکین نے کبھی خودکشی نہیں کی مگر عہد حاضر کے عیش و عشرت اور سہولتوں میں آنکھ کھولنے والے وحشی اپنی جان پر کیوں کھیل رہے ہیں؟ وہ کیا بنیادی تغیر واقع ہو گیا ہے کہ اونٹ کی جلتی ہوئی پیٹھ پر بیٹھ کر تپتے ہوئے صحراؤں میں کوک پیپسی اور ٹیٹرا پیک کے دودھ کے بغیر سفر کرنے والا فرد کبھی زندگی سے بے زار نہیں ہوتا تھا، عہد حاضر کا عیاش فرد یہ تمام سہولتیں، مراعات، تعیشات، مل جانے کے باوجود مر جانا چاہتا ہے تو کیوں؟ اگر عہد جدید کے مسلم مفکرین ان باریکیوں، نزاکتوں اور نکتوں

سے واقف نہیں تو وہ خطبہ جمعہ سننا ترک کر دیں اور اپنے لیے ہیگل کے جدلیاتی افکار پر مبنی دجل سے نیا خطبہ جمعہ تیار کریں۔[خودکشی کی تفصیلات کے لیے انٹرنیٹ پر بے شمار معلومات میسر ہیں۔]

حسین نصر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہر تہذیب کو سائنسی ترقی اس قوم کے دورِ زوال میں ملی لیکن اس تاریخی تجزیے کو تسلیم کرنے کے بعد وہ مسلمانوں کی سائنسی ترقی کے دورِ عروج کو ہی اصلاً دورِ عروج سمجھتے ہیں، اسے زوال کی علامت کے طور پر قبول نہیں کرتے اور اس امر پر تعجب کرتے ہیں کہ اس عروج پر زوال کیوں آ گیا؟ اور اس زوال سے عروج کے سفر کا راستہ کیسے نکالا جائے؟ یعنی دنیا کی تاریخ میں تمام تہذیبوں اور اقوام میں مسلمان وہ واحد تہذیب، قوم یا امت ہے جس کو سائنسی ترقی دورِ زوال میں نہیں مسلمانوں کے دورِ عروج میں ملی۔ ایک جانب وہ عہد عباسی کو عہد ملوکیت بھی قرار دیتے ہیں، ملوکیت کو تمام گناہوں کی جڑ کہتے ہیں اور اس ملوکیت سے نکلنے والی سائنس کو عظیم اسلامی سرمایہ تسلیم کرتے ہیں اور اس سرمایے کے دوام کے لیے کوشاں رہنے کو مقصودِ قرآن اور مطلوب رسالت محمدی ﷺ قرار دیتے ہیں، ملوکیت کو تمام گناہوں کی جڑ قرار دینا تاریخی طور پر خالص سیاسی مادی اور دورِ جدید میں خالص مغربی نقطۂ نظر سے ہم آہنگ فکر ہے جو جمہوریت اور جدید مغربی تصورِ تاریخ سے برآمد ہوا ہے جس کی عمر تین سو سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ کو ملوکیت کی تاریخ سمجھنا ردِعمل کی نفسیات سے برآمد ہونے والا نتیجہ ہے جو جمہوریت کے کفر سے خاص تعلق رکھتا ہے اور حاکمیت جمہور کے ذریعے حاکمیت الٰہ کے تصور کو جڑ بنیاد سے ختم کر دیتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ نقطۂ نظر اپنی تاریخ کا انکار ہے جو ملت اپنی تاریخ رد کر دے وہ صحرا میں تنہا کھڑی ہوگی اور سراب کی تلاش میں رہے گی۔ حسین نصر کے ان تضادات کی تشریح و توجیہہ کے لیے ہمیں کچھ اور لکھنے کی ضرورت نہیں، حسین نصر اور مکتبہ روایت سے وابستہ مفکرین اسلامی سائنس کی نہایت عالمانہ اور پر جوش وکالت کے باوجود یہ نہیں بتا سکے کہ مسلمان کا دورِ عروج تو عہد رسالت مآب ﷺ اور عہد خلافت راشدہ ہے اور بلاشبہ خیر القرون ہے لیکن اس عظیم عہد اور اس کے بعد خلافت راشدہ کے زریں ادوار میں سائنس کی ترقی کے لیے کیا لائحہ عمل مرتب کیا گیا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ خیر القرون سائنس کی عظیم ترقی سے کیوں خالی رہا؟ کیا علوم نقلیہ اور روحانیت اور شعور ایمانی کے مقابلے میں علوم عقلیہ کی ذرہ برابر بھی وقعت نہیں تھی۔ کبار صحابہ کرام میں کتنے سائنس داں تھے، سائنس کے بغیر ہی مسلمانوں نے تین براعظموں کو کیسے فتح کیا؟ امت مسلمہ کا اصل کردار وہ ہے جب وہ مادی طور پر نہایت ہلکی اور اخلاقی و روحانی طور سے سب پر فضیلت کی حامل تھی یا وہ دور جب اسے دنیا میں مادی طور پر برتری حاصل ہوگئی تھی اگر مادی دور بہتر تھا تو اسی دور میں تاتاریوں جیسی کم زور قوم نے انہیں کیسے شکست دے دی؟ اور اندلس عظیم سائنسی ایجادات کے باوجود اپنا تحفظ کیوں نہ کر سکا کہ وہاں کوئی مسلمان باقی نہ بچا؟

یہ سوال اہم ہے کہ ہمسایہ اقوام کی مادی ترقی تہذیب سائنس فنِ تعمیرات سے ام القریٰ کے مسلمان کیوں مرعوب و متاثر نہ ہوئے؟ اور مدینۃ النبی میں ان فنون اور علوم عقلیہ کی درآمد میں کیا امر مانع رہا؟ اس سوال پر بھی غور کی

ضرورت ہے کہ مسلمان ہمسایہ اقوام کے علوم عقلیہ اور محیر العقول فلسفہ وسائنس سے اگر مرعوب ہو جاتے تو کیا وہ روم و ایران کو فتح کر سکتے تھے؟ رومی اپنی تمام تر طاقت کے باوجود ایران کو فتح نہ کر سکے لیکن مسلمانوں نے نہ صرف سرزمین ایران کو فتح کر لیا بلکہ اس خطے کے لوگوں کے قلب بھی تسخیر کر لیے اور عظیم الشان رومی سلطنت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ مسلمانوں کے پاس روم وایران کی سائنس وٹیکنالوجی کے مقابلے میں صرف ایمان کی قوت تھی ان قوتوں کا خاتمہ کرنے والے ان ختم ہونے والی سلطنتوں کی ما[illegible]تی، علوم عقلیہ کے مقابلے میں کس حیثیت اور کس مقام کے حامل تھے اس کے لیے تمام مروجہ تاریخوں کا مطالعہ کر لیا جائے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا [الفرقان:۳۰]۔ ’’اے میرے رب میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانہ تضحیک بنا لیا تھا‘‘ یہ آیت صرف عہد رسالت کے کفار مشرکین کے لیے نہیں ہے اس عہد کے جدیدیت پسند مسلمانوں کے لیے بھی ہے، جنھوں نے اس قرآن کی تضحیک کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ قرآن کے معنی Hermenenties سے متعین ہوں گے، کبھی کہتے ہیں کہ کلام عرب سے اخذ ہوں گے، کبھی کہتے ہیں کہ اسکے جو معنی عہد رسالت میں تھے اب وہ نہیں ہیں، ان میں جو بہت زیادہ جری ہیں انکو شکوہ ہے کہ اس قرآن کو لے کر ہم کیا کریں اس میں نہ سائنس ہے، نہ سوشل سائنس، نہ منطق اس کی آیات سے نہ ہم ایٹم بم بنا سکتے ہیں، نہ ہوائی جہاز، یہ قرآن عہد حاضر میں کسی کام کا نہیں ہے۔ نعوذ باللہ، دوسری جانب معذرت خواہ سادہ لوح اور جاہل مفکرین اسی قرآن سے تمام مغربی، مادی، عقلی اور سائنسی علوم کو ثابت کر رہے ہیں۔ مگر اس سوال کا جواب نہیں دیتے کہ عجیب بات ہے کہ قرآن تمھارے پاس تھا اور قرآن میں مستور و مخفی تمام علوم کافروں کو مل گئے جن میں سے کسی ایک سائنس داں نے کبھی بھول کر قرآن نہیں پڑھا اور نہ قرآن کے ذریعے کوئی سائنسی فارمولا دریافت کیا۔

دکھی انسانیت کے نام

آج بیمار انسانیت عطائی معالجین کے ہاتھوں اپنا مرض بڑھا کر سسک سسک کر دم لے رہی ہے٬ میرے بھائیو! صحیح علاج کیلئے دوا کے ساتھ ساتھ تدابیر اور غذا کی موافقت بھی لازمی ہے٬ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خونی پیچش ہوں٬ تکے کباب روسٹ وغیرہ بھی کھائے جائیں٬ اور پھر شفا کی امید بھی رکھی جائے۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ گوشت خوری بھی کی جائے اور تیزابیت بھی نہ ہو٬ دودھ اور چاول کھائے جائیں اور نزلہ زکام کو فائدہ ہو جائے٬ جگر کی تحریک میں گھی کا کھانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

میرے بھائیو! حکمت بچوں کا کھیل نہیں٬ یہ طویل ترین ریاضت٬ تجربہ اور محنت کے ساتھ ساتھ قلب ونظر کی پاکیزگی اور توجہ الی اللہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی٬ بفضلہ تعالیٰ چالیس سالہ تجربہ کے دوران کم ازکم ایک لاکھ ملکی وغیر ملکی مریضوں کا علاج کر چکا ہوں٬ طبیہ کے کالج کا سابقہ لیکچرار ہوں۔ دو ایوارڈ اور ایک گولڈ میڈل حاصل کر چکا ہوں۔ خدانخواستہ آپ کسی بھی مرض میں مبتلا ہیں تو ایک مرتبہ مجھے علاج کا موقع دیں٬ انشاء اللہ شفائے کاملہ وعاجلہ ہوگی۔ بذریعہ ڈاک بھی دوا منگوا سکتے ہیں۔

ایام ملاقات: بروز جمعہ اور ہفتہ : حکیم حاجی عبدالکریم بھٹی٬ لاہور ملتان روڈ٬ حبیب آباد (واں رادھارام) ضلع قصور

0345-7545119 - 0300 8841778

جنرل مرزا اسلم بیگ
سابق چیف آف آرمی سٹاف پاکستان

ہماری قومی خودمختاری کی زبوں حالی

۲ مئی ۲۰۱۱ء کو ایبٹ آباد میں رونما ہونے والے واقعے کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی خودمختاری کو قائم رکھنے کیلئے اپنی کمزوریوں کا ازالہ کریں اور امریکہ و پڑوسی ممالک کیساتھ خصوصاً دوستانہ تعلقات کے حوالے سے نئی ترجیحات پر غور کریں۔ 2/5 کو پیش آنے والا واقعہ دراصل ہمارے لئے رحمت خداوندی ہے تاکہ ہم پھر سے اپنی خودمختاری قائم کر سکیں۔ ۲ مئی کا کھیل 9/11 کے سانحے کی طرح ایک ڈرامہ اور جھوٹ تھا جس کی آڑ میں امریکہ نے مسلم ممالک کے خلاف صلیبی جنگ کا آغاز کیا تھا تاکہ سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد وہ ساری دنیا پر اپنی برتری اور حاکمیت قائم کر سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسامہ کے ہم شکل ایک قیدی کو بگرام کے ائربیس سے ایبٹ آباد لایا گیا اور یہاں پر مقیم اس کے اہل خاندان کے سامنے انہیں نہایت سفاکی سے قتل کر دیا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسامہ کو کچھ عرصہ پہلے ہی افغانستان میں قتل کر دیا گیا ہو اور ان کا میت مردہ خانے میں پڑا ہو۔ ان کی گولیوں سے چھلنی جو تصویر دکھائی گئی ہے وہ دو سال پہلے کی ہے جبکہ دوسری تصویر ان سے مماثلت نہیں رکھتی۔ ان کی لاش کو نہایت عجلت میں سمندر برد کر کے جرم کی پردہ پوشی کی گئی۔ دراصل 2/5 کا واقعہ 9/11 کے جھوٹ کا تسلسل ہے۔ جس کے پیچھے تین بڑے اہداف تھے (۱) اسامہ کا قصہ پاک کر کے اوبامہ آنے والے انتخابات میں اپنی حیثیت مستحکم بنانا چاہتے ہیں (۲) افغانستان سے اپنی فوجیں نکالنے کا معقول بہانہ چاہیئے (۳) پاکستانی حکومت، مسلح افواج اور آئی ایس آئی کو بدنام کیا جائے۔ تینوں اہداف کے حصول میں امریکہ کامیاب ہوا ہے جبکہ ہم دشمن کے ایجنٹوں اور اپنے کم فہم اور نادان دوستوں کی مدد سے مسلح افواج اور آئی ایس آئی پر الزامات کی بارش کر کے یہ تاثر دے رہے ہیں کہ یہ ادارے ملکی سلامتی کے تحفظ میں ناکام ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ سیاسی چالوں اور سازشوں کی وجہ سے پاکستان کی قومی خودمختاری تو بہت پہلے سے ہی داؤ پر لگ چکی ہے، جو ایک المناک داستان ہے، جسے یاد رکھنا ضروری ہے۔

۱۹۵۸ء میں صدر ایوب کے برسر اقتدار آتے ہی امریکہ نے پاکستانی معاملات میں مداخلت شروع کر دی اور جب دیکھا کہ ایوب خان ان کیلئے کارآمد نہیں رہے تو ایک سیاسی تحریک کے ذریعے ان کی جگہ جنرل یحیی خان کو لے آئے جو پاکستان کو دولخت کرنے کا موجب بنے۔ اس کے بعد ذوالفقار علی بھٹو ملک کے پہلے منتخب وزیر اعظم بنے۔ وہ ایک زیرک، دوراندیش اور محب وطن سربراہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ امریکہ کے 'عالمی بساط پر عظیم کھیل' کے ایجنڈے کی

تکمیل میں رکاوٹ بن سکتے تھے لہذا انہیں ناپسندیدہ اور خطرناک قرار دے دیا گیا کیونکہ انہوں نے چین کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کر لئے تھے؛ شاہ فیصل کو عالم اسلام کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ کیا تھا اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی بنیاد رکھی تھی جس کی پاداش میں وہ سزا کے مستحق ٹھہرے اور انہیں فوجی ڈکٹیٹر اور تابعدار عدلیہ کے ہاتھوں ''دردناک مثال'' بنادیا گیا۔

جنرل ضیاء نے ۱۹۸۰ء سے ۸۸ء تک روس کے خلاف جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا۔اس عرصے میں سی آئی اے نے پاکستان میں وسیع پیمانے پر اپنے جاسوسی کے مراکز قائم کر لئے اور ہمارے تمام ادارے، میڈیا اور سول سوسائٹی ان کی دسترس میں آ گئے۔افغانستان سے روسی فوجوں کی پسپائی کے بعد امریکہ نے افغانستان اور پاکستان کے معاملات سے پیٹھ پھیر لی۔افغانستان میں حکومت سازی کے عمل میں طالبان کو ان کے جائز حق سے محروم کرتے ہوئے خانہ جنگی شروع کرادی گئی اور پاکستان میں جنرل ضیاء کو مجاہدین کی مدد کرنے کے جرم میں منظر سے ہٹا دیا گیا۔۱۹۸۸ء میں محترمہ بے نظیر بھٹو برسر اقتدار آئیں لیکن جلد ہی امریکیوں کے دباؤ میں آ کر انہوں نے آئی ایس آئی کے شعبہ افغانستان کو ختم کر دیا کیونکہ افغانستان میں روسی فوجوں کی شکست اور پسپائی کے حوالے سے آئی ایس آئی کی پیشہ ورانہ کارکردگی سے امریکی خوف زدہ تھے۔اس طرح آئی ایس آئی کو افغان معاملات سے الگ کر دیا گیا اور افغانستان کے متعلق پاکستان اپنی آنکھوں اور کانوں سے محروم ہو گیا۔۱۹۹۸ء میں میاں نواز شریف نے بھارتی ایٹمی دھماکوں کے جواب میں ایٹمی دھماکے کیے اور امریکہ کی نظروں میں ''ناپسندیدہ شخصیت بن گئے۔'' اور ۱۹۹۹ء میں ایک سیاسی تحریک کے پس پردہ فوج کے اقتدار پر قبضے کی راہ ہموار کی گئی اور نواز شریف سے نجات حاصل کی۔یہی وہ وقت تھا جب امریکہ نے عالم اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کا فیصلہ کر لیا تھا جس کیلئے 9/11 کا ڈرامہ رچایا گیا۔جنرل مشرف اقتدار سنبھال چکے تھے جنہوں نے تمام کی تمام امریکی شرائط کو بلا چون و چراں تسلیم کر لیا اور ایک برادر ہمسایہ اسلامی ملک کے خلاف جنگ میں امریکہ کا ساتھ دینے پر تیار ہو گئے جس کے بعد امریکی میرینز (Marines) اور سی آئی اے کے کارندوں کو تمام افغان بارڈر کی نگرانی پر معمور کرتے ہوئے آئی ایس آئی کو ان علاقوں سے نکال لیا گیا جس سے پاکستان کی علاقائی خودمختاری کو ضرب لگی۔یہ وہ وقت تھا جب راء (RAW) نے افغانستان میں جاسوسی کے اڈے قائم کر لئے تھے اور سی آئی اے کی ملی بھگت سے پاکستان کی ساری سرحدیں اپنے جاسوسوں سے بھر دیں اور نتیجتاً ۲۰۰۵ء میں افغانستان کی جنگ کا رخ پاکستان کی جانب موڑ دیا گیا۔

ریمنڈ ڈیوس کی حالیہ گرفتاری اور انکشافات نے سی آئی اے اور راء کی پاکستان مخالف سرگرمیوں کا پردہ چاک کیا ہے اور انہیں بلوچستان اور خیبر پختونخواہ میں بغاوت اور دیگر جگہوں پر ہونے والے دہشت گردی کے واقعات کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔لہذا حکومتی عملداری قائم کرنے کیلئے ہماری حکومت کا سی آئی اے سے اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کی واپسی کا مطالبہ جائز ہے۔اس مقصد کیلئے پاکستانی مسلح افواج اور آئی ایس آئی نے جو اقدامات اٹھائے وہ امریکہ کی

برہمی کا باعث بنے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ 9/11 کے سانحہ میں امریکہ نے اپنی مسلح افواج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کو موردالزام نہیں ٹھہرایا کہ وہ ملک کو اتنے بڑے سانحے سے محفوظ نہ رکھ سکیں۔ اسی طرح ۲۰۰۹ء میں سانحہ ممبئی کے بعد بھارت نے اپنی مسلح افواج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کی ناکامی پر الزام تراشی نہیں کی بلکہ اس سانحے کا ذمہ دار پاکستان کو ٹھہرایا جبکہ امریکہ نے 9/11 کا سارا الزام اسامہ بن لادن اور القائدہ کے سر تھوپ دیا۔ پاکستان میں مسلح افواج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں پر ناکامی کے جو الزامات عائد کئے جا رہے ہیں اس کے پیچھے ''سی آئی اے اور راء کے ایجنٹ اور ہمارے زرخرید'' کارفرما ہیں جو ان اداروں کو موردالزام ٹھہرا رہے ہیں جنہوں نے ملکی سالمیت اور خودمختاری کیلئے اتنی عظیم قربانیاں دی ہیں۔

امریکہ نے اسامہ اور القائدہ کو ایک عفریت بنالیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۹۰ء کے بعد سے افغانستان اور پاکستان کے معاملات سے اسامہ کے صرف فروعی نوعیت کے تعلقات باقی تھے۔ ۱۹۹۶ء سے ۲۰۰۱ء تک افغانستان میں قیام کے دوران القائدہ نے شائد امریکی اہداف کے خلاف چند خودکش حملے کئے ہوں لیکن مغربی میڈیا افغانستان اور خطے میں ہونے والے تمام دہشتگردی کے معاملات میں انہیں ملوث قرار دیتا رہا ہے تاکہ افغانوں کی تحریک آزادی کو بدنام کیا جا سکے۔ درحقیقت 9/11 کے بعد اسامہ اور القائدہ غاروں اور خندقوں میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ اسکی دلیل یہی ہے کہ اسامہ کے نام نہاد قتل کے بعد القائدہ کی جانب سے اب تک کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا گیا کہ وہ ان کی موت کا انتقام لیں گے۔ اسلئے یہ کہنا درست ہوگا کہ اس قدر محنت شاقہ سے مرتب کیا جانے والا اسامہ کا افسانہ بری طرح ناکام ہو چکا ہے۔ سانحہ 2/5 ہماری حکومت، مسلح افواج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کیلئے ''اللہ کی غیبی رحمت'' ہے تاکہ وہ مستحکم اقدامات کریں اور دشمنوں کے کارندوں اور زرخرید لوگوں کا محاسبہ کریں جو ''ہماری جڑوں کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے وسیع پیمانے پر دھونی (Fumigation) دینے کی ضرورت ہے۔'' یہ عمل بلوچستان میں شروع ہو چکا ہے جسے پورے ملک تک پھیلانے کی ضرورت ہے۔ جب ہماری قومی خودمختاری قائم ہو جائے گی تو اس کے بعد ہمسایہ اور دیگر ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنا آسان ہو جائے گا۔ خصوصاً ہمیں امریکہ کے ساتھ تعلقات کا ازسرنو جائزہ لینا ہوگا اور اس حوالے سے تدبر اور دوراندیشی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔

<u>المیہ:</u> پاکستانی قوم کو جمہوری حکومت سے بہت سی توقعات وابستہ تھیں کہ وہ خودمختار پارلیمنٹ اور آزاد عدلیہ کے قیام کو یقینی بنائے گی کیونکہ کسی بھی جمہوری ملک میں خودمختار پارلیمنٹ اور آزاد عدلیہ ہی قومی خودمختاری کے امین ہوتے ہیں لیکن افسوس کہ ان دونوں اداروں کے تقدس کو بری طرح پامال کیا گیا ہے اور عملاً انہیں ناکارہ بنا دیا گیا ہے جس کے سبب ہماری قومی خودمختاری زبوں حالی کا شکار ہے اور قوم تضحیک کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ اپنوں ہی نے اپنوں کے ہاتھوں ملکی خودمختاری کو پارہ پارہ کیا ہے جس طرح ہماری بیٹی مختاراں مائی کی عزت کو اپنوں ہی نے پامال کیا۔ نہ جانے پاکستان ایسی بے بسی پر کب تک روتا رہے گا!!

ضبط وترتیب: مولانا عرفان الحق اظہار حقانی
مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

یادگار اسلاف حضرت مولانا عبدالحنان جہانگیرویؒ کی یادیں اور باتیں

ملے خاک میں اہل شان کیسے کیسے — مکیں ہو گئے لامکاں کیسے کیسے
ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے — زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

زندگی کا سورج چاہے جتنا بھی طویل سفر طے کرے اسے آخر کا غروب ہونا پڑتا ہے۔ قرآن مجید کا بھی یہ بیّن اعلان ہے کہ کل نفس ذائقة الموت اسی قانون کے مطابق یادگار اسلاف فاضل دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عبدالحنان نوراللہ مرقدہ پانچ ماہ کی علالت کے بعد بشب جمعہ 10 بجے ۵رمئی ۲۰۱۱ء کو ہمیں داغ مفارقت دے کر راہی آخرت بن گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

انحطاط اور زوال کے اس دور میں اسلاف واکابرین کی نشانیوں کا اٹھ جانا خطرے کی گھنٹی ہے۔ لیکن انسان کر بھی کیا سکتا ہے اس کے بس میں تو کچھ بھی نہیں۔

لائی حیات قضا چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

مولانا کے غسل، تکفین وتدفین کے امور والد محترم جناب الحاج اظہار الحق صاحب مدظلہ ناظم اعلیٰ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور موصوف کے پوتوں ڈاکٹر مجیب الرحمٰن، جناب خلیق الرحمٰن، مولانا نقیب احمد، احقر (عرفان الحق) اور جناب سعید اللہ صاحب اکوڑوی وغیرہم نے انجام دیئے اور نماز جنازہ اگلے روز بعد از عصر چار بجے جہانگیرہ میں قدوۃ السلف مولانا رحیم اللہ باچا صاحب آف اضاخیل کی امامت میں ادا کی گئی جنازہ میں صوبہ بھر کے علماء کرام سیاسی زعماء، دانشور اور ہر طبقے فکر کے ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ تدفین دارالعلوم حقانیہ کے حقانی قبرستان میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے پہلو میں کی گئی۔ جنازہ کی ادائیگی سے قبل حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ نے جبکہ تدفین سے پہلے شیخ الحدیث مولانا مفتی زر ولی خان صاحب مدظلہ نے

تعزیتی خطابات فرمائے۔ آپ کے لواحقین میں ایک بیٹا پروفیسر عبید الرحمٰن صاحب اور ایک بیٹی شامل ہیں۔
موصوف کی مختصر سوانح حیات قارئین ''اسلام'' نے ۱۸راپریل کی اشاعت میں ملاحظہ کی ہوگی۔
آج کی نشست میں ان کی مجلس کی کچھ باتیں اور یادیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

صبر ورضا کا مجسم پیکر: (۱) مرض وفات کے دوران احقر کو آپ کے ہاں عیادت کے لئے تقریباً ہر ہفتے حاضری کا موقع ملا اس دوران آپ کو سخت تکلیف، درد، ضعف ونقاہت کے باوجود صبر، شکر اور رضا کا پیکر پایا۔ ان کی زبان پر جزع، فزع، فریاد حتیٰ کہ کراہنے کی آواز تک بھی نہیں سنی، صبر وشکر کا مظاہرہ جس انداز سے آپ نے کیا وہ کتابوں سے تو ضرور پڑھا تھا لیکن اس کی حقیقی صورت وہ آپ خود تھے۔

اخلاق وتواضع کا اعلیٰ مقام: (۲) آپ کا دوسرا بڑا وصف جو آپ کی شخصیت میں زندگی بھر نمایاں رہا و رمرض وفات کے دوران بھی اس پر کاربند رہے وہ اخلاق وتواضع تھی۔ ایک دفعہ احقر حاضر ہوا تو کرسی قریب کرکے بیٹھ گیا انہوں نے اس بیماری کے عالم میں سر اٹھا کر فرمایا کہ آپ صحیح بیٹھے ہیں؟ میں نہیں سمجھ پایا تو دھیمی آواز میں الفاظ بدل کر کہا کہ تمہاری بیٹھنے کی جگہ صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے اسی وقت دل میں کہا کہ اللہ اکبر اخلاق وتواضع کا یہ عالم کہ سخت تکلیف میں بھی آنے والے کے بیٹھنے اور استراحت کا خیال ملحوظ ہے۔

میرے بچے محمد معز الحق کو جامع دعا: (۳) ایک دفعہ میں اپنے چھوٹے بچے محمد معز الحق حقانی کو آپ کے پاس لے گیا اور عرض کیا کہ اس کیلئے دعا فرمادیجئے' آپ نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا کی ''اے اللہ! اسے اسلاف واکابرین کا نمونہ ٹھہرادے'' بیماری زوروں پر تھی اس لئے میں نے کہا کہ جی یہ دعا کافی ہے جس میں سب کچھ آگیا۔

شدید نقاہت پر سلام کا اشارہ: (۴) وفات سے ایک ہفتہ قبل حاضر ہوا تو آنکھیں بند کرکے چادر اوڑھ لی تھی۔ میں سرہانے بیٹھ کر سر دبانے لگا' اس دوران کمرے میں حضرت کی بہو صاحبہ آئی اور مجھ سے سلام دعا کی۔ یہ گفتگو سن کر حضرت کو میری آمد کا احساس ہوا تو بمشکل چادر سر سے سرکا کر اشارے سے مجھے سلام کیا۔ آواز نکالنے کی ہمت نہیں تھی تو سلام جو کہ سنت نبویؐ ہے اس پر اشارے سے عمل کرکے دکھایا۔

وہ دن گئے جب پسینہ گلاب تھا: (۵) عیادت کے لئے احقر دیر سے رات کو حاضر ہوا تو فرمایا کہ لیٹ نہ آیا کرو۔ شام کے بعد بلاضرورت گھر سے نکلنا مناسب نہیں۔ انسان کے ساتھ حادثہ اچانک اور کبھی کبھی پیش آتا ہے۔ لہٰذا احتیاط کرنی چاہیے۔ اور پھر یہ شعر پڑھا

وہ دن گئے جب پسینہ گلاب تھا اب عطر بھی ملو تو خوشبو نہیں آتی

میں نے اس مجلس کے دوران حضرت کی کتابوں کے بارے میں دریافت کیا کہ جی ان کا کیا کریں گے تو فرمایا کہ میری

موت تک میرے پاس رہیں گی۔ اور پس از مرگ ورثاء جانے اور انکا کام۔ پھر کہا کہ ایک دفعہ میرے بڑے بھائی حاجی سیف الرحمٰن میرے پاس ایک مولوی صاحب کو لائے کہ ان کو کتابوں کی ضرورت ہے' انہیں دے دیں۔ میں بڑا غصہ ہوا لیکن ضبط کر لیا اور پھر کہا کہ لوگ مدرسے کے بہانے پر کتابیں لے بٹور لیتے ہیں اور پھر ڈھیر بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ یعنی صحیح مصرف میں انکا استعمال نہیں کرتے ہیں۔

<u>والد مرحوم کی اور اپنی مرقومہ ڈائری اور تعویزات کی کتاب دینا:</u> (۶) سال ڈیڑھ سال قبل میں نے آپ سے اپنی تاریخ پیدائش اور دادی مرحومہ جو کہ اِن کی ہمشیرہ تھیں' کی تاریخ پیدائش اور بعض احوال وغیرہ معلوم کرنے چاہے تو انہوں نے اپنے والد مولانا عبدالغفار صاحب کی نوشتہ ڈائری کے کاغذات اور ساتھ ہی اپنی چھوٹی جیب کی ڈائری اور والد کے قلمی تعویزات کی کتاب عنایت فرمائی۔ اور کہا کہ اس سے فوٹو کاپی کر لو۔

<u>ساماں تو گیا اب ہم بھی چلنے والے ہیں:</u> (۷) عمر کے آخری دور میں جب بھی آپ سے کوئی صحت کے بارے میں پوچھتا تو داغ کا یہ شعر پڑھ کر جواب دیتے

ہوش وحواس' تاب وتواں تو داغ گیا   اب ہم بھی چلنے والے ہیں سامان تو گیا

<u>موت کو یاد رکھنے کی نصیحت:</u> (۸) آخری بیماری کے دوران ایک ملاقات کے موقع پر میں نے اور برادرم مولانا لقمان الحق نے آپ سے نصیحت کی درخواست کی تو فرمایا ''موت کو ہر وقت یاد رکھو' اگر اچھا کام کرو تو بھی موت یاد کرو' اور اگر برا کام کرو تو بھی موت یاد کرو'' گویا رسول اقدسؐ کی روایت **اذکروا ھاذم اللذات قبل وما ھاذم اللذات قال الموت**

<u>حقانیہ کی مجلس شوریٰ کے موقع پر پیغام اور احقر کو نوشتہ نصیحت:</u>

(۹) دار العلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کے اجلاسوں کی صدارت اکثر آپ ہی فرمایا کرتے تھے۔ جس میں کہتے کہ ''یہ چمن جس کی آبیاری میں مولانا عبدالحق صاحب اور ان کے بے لوث ساتھیوں نے اپنی زندگیاں صرف کی ہیں' یہ ہمارے پاس ایک امانت ہے' کل روز قیامت اللہ تعالیٰ ہم سے اس سے متعلق باز پرس فرمائے گا کہ اس امانت کو کہاں تک محفوظ رکھا اور کتنا آگے بڑھایا تھا۔''

ایک مرتبہ ۲۷ ر جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ کو اجلاس کے اختتام پر احقر کے ساتھ گاڑی میں جہانگیرہ تشریف لے گئے۔ وہاں میں نے نصیحت لکھنے کی فرمائش کی تو لکھا: ''اپنی زندگی میں ہر وقت یہ سوچنا چاہیے کہ آخر ہمیں اللہ تعالیٰ نے کس کام کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ آخر میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ بعد ازاں اپنی زندگی کو کام کی زندگی بنانے کی فکر میں پڑ جانا چاہیے ورنہ تو ہم سے یہ جانور بھی مفید ہیں کچھ کام تو کر لیتا ہے۔ ہم اگر ایسے رہے تو ہوسکتا ہے کہ یہ سوچ ہمارے لئے بڑی کار آمد ثابت ہو۔

خاتمہ بالایمان کی دعا اور مسجد نبویؐ کے دو موذنین کی وفات کے واقعات:

(۱۰) احقر نے جب بھی مولانا مرحوم کی دعا سنی تو وہ یہی دعا مانگتے ''اے اللہ! ہمارا خاتمہ ایمان کے ساتھ فرمادے۔'' ایک دفعہ دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث میں فرمایا کہ ایمان کے ساتھ خاتمہ زندگی کا حاصل اور ثمرہ ہے۔ ورنہ سب کچھ رائیگاں ہے۔ فرمایا کہ ہمارے استاد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ہمیں یہ واقعہ خود سنایا کہ جب آپ مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور مسجد نبوی ﷺ میں تدریس فرماتے تھے' انہوں نے اٹھارہ برس تک وہاں تدریس کی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے انتقال کے بعد حضرت مدنیؒ کو خواب میں کچھ اشارات ملے کہ اب آپ ہندوستان جائیے وہاں آپ کی ضرورت ہے۔ بہرحال انہوں نے فرمایا کہ مدینہ کے قیام کے دوران مسجد نبوی ﷺ کا ایک موذن تھا اس کو میں نے جب بھی دعا کرتے ہوئے پایا وہ یہی مانگتے کہ اے اللہ میرا خاتمہ ایمان کے ساتھ فرما۔ حضرت مدنی صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک دن میں نے ان سے پوچھ لیا کہ آپ یہی دعا مانگتے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی دعا میں نے آپ سے نہیں سنی۔ آپ کو اور کوئی دعا مانگنی نہیں یا کوئی اور دعا آتی ہی نہیں۔ اس پر اس موذن صاحب نے مجھے اپنے بھائی کا واقعہ سنایا کہ وہ مسجد نبوی ﷺ میں چالیس برس تک موذن رہا اور زندگی کے آخر میں مرض وفات کے دوران جب اس کے نزع کا عالم ہوا تو وہ لوگوں کے بیچ میں چارپائی پر پڑا تھا' اس نے قرآن پاک مانگا' اسے قرآن پاک ہاتھ میں دیا گیا تو اس نے لیکر دور پھینک دیا۔ اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا۔ گویا مرتے مرتے اس نے قرآن پاک کی توہین وہتک کی۔ اعاذنا اللہ و جمیع المسلمین ۔ اس کے بھائی نے کہا کہ میں نے اس دن کے بعد سے ایمان کے ساتھ خاتمے کی دعا مانگنی شروع کی۔ اور اس کے علاوہ کچھ نہیں مانگتا۔ حضرت مدنی صاحبؒ نے فرمایا کہ اتفاقاً میرے قیام مدینہ کے دوران ہی وہ دوسرا بھائی جس نے مجھے یہ واقعہ سنایا تھا بیمار پڑ گیا۔ ہم اس کی عیادت کے لئے گئے تو اس کے پاس خاندان کے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے' اس نے ہمارے سامنے قرآن پاک طلب کیا' اب کی بار اس کے خاندان کے لوگ ڈر کر سہم گئے میں نے ان کو کہا کہ جب یہ قرآن مجید مانگ رہا ہے تو لاؤ اور دے دو۔ قرآن پاک اس کو دیا گیا تو اس نے بڑے ادب اور احترام کے ساتھ اس کو بوسہ لے کر اپنے سینے پر رکھ دیا۔ اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اے لوگو! گواہ رہنا میں اس پر ایمان لایا ہوں۔ اور اسی حالت میں اس موذن کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اکابرین کی نشست و برخاست کا اثر اور اساتذہ کے ساتھ وعدہ: (۱۱) دارالعلوم کے دارالحدیث میں ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم نے چند دن اکابرین کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔ ان کے اخلاق و کردار کو دیکھا ہے۔ جس کے طفیل آج الحمدللہ ہم سے کوئی بھی فرد ناراض اور خفہ نہیں ملے گا' علم تو ہم نے حاصل نہیں کیا صرف اہل علم کی نشست و برخاست کا یہ اثر اور برکت ہے۔ فرمایا کہ میری اپنی نہ کوئی شہرت ہے اور نہ کوئی زیادہ مجھے جاننے والے ہیں۔ جس کی

وجہ یہی ہے کہ میں کسی مدرسے میں باقاعدہ مدرس اور ملازم وغیرہ نہیں رہا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ؒ نے مجھے کئی دفعہ حقانیہ میں تدریس کی پیش کش کی اور فرمایا کہ سائیکل لے کر دو تین پیریڈ لینے آیا کرو۔ لیکن میں نے اس وجہ سے قبول نہیں کی کہ میرے اندر حرص اور طمع دنیا پیدا ہو جائے گی۔ دیوبند سے واپس آتے ہوئے اساتذہ سے الوداعی ملاقاتیں کرتے وقت حضرت مولانا اعزاز علیؒ نے مجھ سے پوچھا کہ اب کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ بعض ساتھی مولوی فاضل کر رہے ہیں اور بعض طبیہ کالج میں داخلہ لے رہے ہیں میں بھی کچھ اسی طرح سوچ رہا ہوں۔ جس پر انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے فرمایا کہ کیا علمِ دین اس لئے حاصل کیا تھا کہ دنیا کماؤ؟ اس پر میں نے ان سے وعدہ کیا کہ میں دین پر کبھی بھی دنیا نہیں کماؤں گا۔ اسی وعدے پر میں الحمدللہ آج تک کاربند رہا ہوں۔ تدریس ضرور کی ہے مگر اپنے گھر بیٹھک اور مسجد میں۔ کسی مدرسے میں اسی وجہ سے تدریس نہیں کی کہ پھر تنخواہ لینے کا دل میں داعیہ پیدا ہو گا۔

مولانا عبدالسمیع دیوبندی سے گہرا تعلق (۱۲) ایک مجلس میں حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندی ؒ کے بارے میں فرمایا کہ ان کے ساتھ میرا تعلق کافی گہرا رہا۔ اور وہ بھی بڑی شفقت سے نوازتے تھے، بعض دفعہ ضعف و نقاہت کی وجہ سے ان کے بدن میں درد ہوتا تو میں ان کو دبانا شروع کر دیتا، اس پر فرماتے کہ بھائی حنان! مزہ تو بہت آتا ہے لیکن پھر عادت پڑ جائے گی۔ اس لئے اسی طرح رہنے دو۔

اولین سفر حج اور شاہ سعودؒ کو دیکھنا: (۱۳) اپنے اولین سفر حج ۱۹۵۱ء کے بارے میں فرمایا کہ ہم اس دوران سو روپیہ پاکستانی دے کر اس کے بدلے میں ۹۵ ریال وصول کرتے تھے۔ اس سفر کے دوران ایک دفعہ ہم حرم مکہ میں تھے کہ شاہ سعودؒ کی آمد کی اطلاع آئی، جس پر انتظامیہ نے مطاف کو زائرین وحجاج سے خالی کیا اور ہمیں ترکی کے برآمدوں میں لے جایا گیا۔ پھر شاہ سعود، امام حرمؒ کے ہمراہ آئے اور طواف کیا، میں نے کسی سے کہا کہ حجاج کو اس ایک شخص کی وجہ سے تکلیف دی گئی۔ آخر یہ تخصیص کہاں کو روا ہے؟ جس پر مجھے بتایا گیا کہ شاہ سعود پہلے عام حجاج کیساتھ مل کر طواف کیا کرتا تھا، پھر کسی نے اس پر بم حملہ کیا، جس کی وجہ سے وہ زخمی ہوا۔ اسلئے اب وہ لنگڑا کر چل رہا تھا۔ فرمایا کہ ظاہری شکل وشباہت اور ہیئت سے وہ افغانیوں کی طرح لگ رہا تھا۔

شاہ فیصلؒ کی تواضع اور خاکساری کا اظہار: (۱۴) اپنے دوسرے سفر حج کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب شاہ فیصلؒ بادشاہ تھے تو اس زمانہ میں بھی مجھے حج کا موقع نصیب ہوا۔ حرم میں اس زمانے میں سنگ مرمر وغیرہ کا فرش نہ تھا، ایک دن مطاف میں خلاف عادت قالینیں بچھائی گئیں، لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کی کہ شاید کوئی بادشاہ وغیرہ آ رہا ہے، ہم طواف کر رہے تھے کہ اس دوران شاہ فیصلؒ دوسرے غیر ملکی سربراہان مملکت کے ساتھ آیا، سربراہان مملکت کو شاہ فیصل نے قالینوں پر بٹھا دیا اور خود ان سے دور زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ شخص حقیقتاً تواضع،

خاکساری اور عاجزی کا نمونہ ہے۔فرمایا کہ اس کی کمال اور عظمت ہی تھی کہ شاہ فیصل کی وفات پر عرب جتنے غمگین اور افسردہ ہوئے دوسرے کسی شاہ کی وفات پر اتنے نہ ہوئے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ساتھ وفات سے قبل آخری ملاقات: (۱۵) فرمایا کہ جس روز رات کو حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ انتقال فرما رہے تھے اُس دن عصر کے بعد مجھے ان سے آخری ملاقات کرنے کی سعادت ملی۔عصر کے بعد میں اپنے ایک دوسرے ساتھی کے ساتھ حضرت مہتمم صاحبؒ کے باغوں کی طرف سیر کے لئے گیا تھا' واپسی پر میں نے ساتھی کو کہا کہ کیوں نہ حضرت شاہ صاحبؒ کی زیارت و ملاقات کر کے ان سے دعا لے لیں۔وہ بھی راضی ہوا تو ہم دونوں نے شاہ صاحبؒ کے دروازے پر جا کر دستک دی' ایک خادمہ آئی' ہم نے اپنی غرض بیان کی' تو اس نے جا کر حضرت کشمیریؒ صاحب کو اطلاع دی جس پر ہمیں اندر آنے کا کہا۔جب ہم شاہ صاحبؒ کے استراحت خانے پہنچے تو دیکھا کہ حضرت اس وقت نیم غنودگی کی حالت میں بستر پر صاحب فراش تھے۔ ایک منشی ان کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا' تھوڑی تھوڑی دیر بعد شاہ صاحبؒ کو جب غنودگی سے افاقہ ہوتا تو منشی کو کچھ کہتے اور وہ لکھتے تھے' گویا کہ حضرت شاہ صاحبؒ مرض وفات میں بھی تالیف کے کام میں مشغول تھے۔ہم کچھ دیر تک کھڑے رہے' ہماری آمد کا پتہ ان کو نہ چل سکا' جب ان کو احساس ہوا تو فرمایا کہ کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی عیادت و زیارت اور دعائیں لینے آئے ہیں۔جس پر انہوں نے ہمیں دعائیں دیں اور نصیحتاً فرمایا کہ ''وقت ضائع مت کرو اس لئے کہ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا۔'' پھر ہم نے رخصت لی۔

شاہ صاحبؒ کا حلیہ: (۱۶) شاہ صاحبؒ کے حلیہ کے بارے میں فرمایا کہ علامہ کشمیری صاحبؒ کو اللہ نے عجیب حسن سے نوازا تھا' سرخ و سفید رنگت عام طور پر سر پر ٹوپی رکھتے اور جب کبھی باہر جلسوں میں جاتے تو پگڑی باندھتے۔

جب شاہ صاحبؒ کی رحلت کی خبر دارالعلوم دیوبند پہنچی: (۱۷) شاہ صاحبؒ کی رحلت کے حوالے سے فرمایا کہ رات کے ایک بجے مدرسے کی مسجد میں ایک طالب علم تہجد پڑھ رہا تھا' اسے کسی نے شاہ صاحبؒ کے انتقال کی خبر دی' اُس سے برداشت نہ ہو پایا اور ''اللہ'' کا زوردار نعرہ لگایا۔حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان کی طرف دوڑنے لگا' اس نعرے کی آواز نے پورے مدرسے کو خبردار کیا کہ کوئی واقعہ رونما ہوا ہے۔طلباء نیند سے بیدار ہوئے' راتوں رات شاہ صاحبؒ کے مکان کے باہر ہزاروں افراد کا مجمع بن گیا۔جس میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور سکھ بھی کثیر تعداد میں شامل تھے

شاہ صاحبؒ کی جسد اطہر کی دیدار عام: (۱۸) شاہ صاحبؒ کی آخری دیدار کے بارے میں فرمایا کہ علماء طلباء اور عوام کو شاہ صاحبؒ کے جسد اطہر کی زیارت کیلئے نودرہ میں رکھا گیا۔ہزاروں انسانوں کا جم غفیر آخری زیارت کے لئے منتظر تھا۔نودرہ کے ایک طرف سے لوگ داخل ہوتے اور دوسری طرف سے نکلتے۔جنازہ جب عیدگاہ روانہ کیا گیا تو اس وقت بالاخانوں اور چھتوں پر دیکھنے کیلئے سینکڑوں افراد مرد و زن' چھوٹے بڑے اور جوان بیتاب کھڑے نظر

آ رہے تھے۔ جنازے میں لوگوں کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عیدگاہ تک کا مختصر فاصلہ دو گھنٹوں میں طے ہوا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے جنازے کی چادر کا ایک بخاری طالب علم کا اڑا لے جانا:

(۱۹) ۔ بخارا کا ایک طالب علم تھا جو صحت اور جوانی میں مضبوط اور طاقتور جسم کا حامل تھا۔ اس نے نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد مجمع میں ایک دو بازو ادھر ادھر مار کر لوگوں کو پیچھے دھکیلا اور شاہ صاحبؒ کی نعش تک پہنچا۔ اور نعش کے اوپر جو چادر پڑی تھی اسے اٹھا کر بغل میں دبا کر ایک طرف بھاگنا شروع کیا' لوگوں نے چیخ و پکار شروع کیا کہ ارے کمبخت یہ کیا کر رہا ہے؟ لیکن اس نے کسی کی پروانہ کی اور چلتے ہوئے لوگوں کو جواب دیا کہ چپ رہو میں اسے اپنا کفن بناؤں گا۔ لوگوں نے اس کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی طاقت اور جوانی کے زور پر بھاگ نکلا۔

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کا ہر حال میں درس کا لزوم: (۲۰) حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں فرمایا کہ باوجود کثرت مصروفیات کے درس کا ناغہ نہیں فرماتے تھے' اگر کسی روز دور دراز کے سفر سے واپس ہوتے تو بھی سیدھے دارالحدیث پہنچ کر درس دیتے اور تھکن و آرام کا کچھ خیال نہیں فرماتے۔

حضرت مدنیؒ کا طلباء کو درس پر توجہ دینے کی تنبیہ:

(۲۱) ایک دفعہ حضرت مدنیؒ صاحب کا پاؤں زخمی ہوا' جس کی وجہ سے پاؤں میں سوجن ہوگئی۔ سخت تکلیف کے باوجود درس دینے آئے۔ تکلیف کی وجہ سے زخمی پاؤں پھیلا کر رکھا' دوران درس حضرتؒ کے پاؤں پر کھیاں بیٹھنے لگیں' ساتھ ہی بیٹھے ہوئے طالبعلم نے دستی پنکھے سے کھیاں اڑانے کی کوشش کی' جس پر حضرت مدنیؒ صاحب غصہ ہوئے اور فرمایا کہ "بھائی پاؤں میرا ہے یا تمہارا' تکلیف مجھے ہو رہی ہے یا تمہیں" پھر تنبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "اپنے درس پر توجہ دو اپنے کام میں منہمک رہو' کبھی اپنی توجہ منقسم نہ کرو۔"

مہتممؒ دارالعلوم دیوبند کا ایک طالب علم کے لئے چار روٹیاں مقرر کرنے کا عجیب واقعہ:

(۲۲) فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند میں ہمارے زمانے میں بخارا کا ایک طالب علم پڑھتا تھا' اس نے حضرت مہتمم صاحبؒ کے نام درخواست لکھی کہ مجھے ایک روٹی دی جاتی ہے جس پر میرا گزارا نہیں ہوتا یہ زیادتی ہے۔ میری درخواست پر غور کیا جائے۔ اس پر حضرت مہتمم صاحبؒ نے اس طالب علم کو بلا کر مطبخ میں بٹھایا اور فرمایا کہ یہاں کھانا کھاؤ جتنی روٹیاں تم نے آج کھا لیں اتنی ہی تمہارے لئے مقرر کر دی جائیں گی۔ اس بخاری طالب علم نے چار آدمیوں کا کھانا ایک وقت میں کھا لیا اور پھر بس کرتے ہوئے کہا کہ میں نے مدرسے پر رحم کیا ورنہ تو گنجائش اور بھی ہے۔ اس دن کے بعد سے اسے چار روٹیاں دی جانے لگیں۔

دیوبند کے پاک نفوس طلباء اور ایک طالب علم سے حضرت مدنیؒ کا پانی دم کروانا: (۲۳) فرمایا کہ ہمارے

زمانہ طالب علمی میں دیوبند میں انتہائی پاک نفوس طلباء تھے' مولوی میاندادؒ سکنہ شیخ ڈھیری چھوٹا لاہور کے بارے میں کہا کہ وہ بہت کم گو اور نہایت متقی طالب علم تھے۔ ایک دفعہ رات کو نصف شب قاری اصغر علی صاحبؒ نے جو کہ حضرت مدنی صاحبؒ کے خاص خادم تھے' ہمارے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کھولنے پر دیکھا تو ان کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا' ہم نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت مدنی صاحبؒ کے گردے پر سخت درد ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ پانی لے جا کر مولوی میاندادؒ سے دم کروا کے لاؤ۔ مولوی میاندادؒ نے بڑی معذرت کی اور کہا کہ حضرت مدنی صاحبؒ مجھے شرمندہ کروا رہے ہیں۔ مجھ میں کیا خوبی ہے؟ لیکن پھر چاروناچار پانی پر کچھ پڑھ کر دم کیا۔ فرمایا اس واقعے سے جہاں اس وقت کے طالبعلموں کا تقویٰ تدین اور بزرگی معلوم ہوتی ہے' وہیں حضرت مدنیؒ کی شان تواضع اور عاجزی و انکساری بھی جھلکتی ہے۔

<u>دیوبند میں ایک طالب علم کی گمشدگی اور تلاش:</u> (۲۴) مولوی میانداد کا ایک دوسرا عجیب واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ برسات کے دنوں میں جمعے کے روز ایک دفعہ ہم سب طالب علم اپنے اپنے کپڑے دھونے نکلے' بعض طلباء تالابوں اور جوہڑوں کے کنارے کپڑے دھوتے تھے مولوی میانداد بھی بغل میں کپڑے دبا کر نکل پڑے' دن بھر گزر جانے کے بعد رات کو موصوف دارالعلوم واپس نہیں آئے۔ ساتھیوں کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں تالاب وغیرہ میں گر کر ڈوب نہ گئے ہوں۔ لہٰذا مدرسے میں ہلچل مچ گئی' حضرت مدنی صاحب کو خبر ہوئی تو وہ بھی پریشان ہوئے۔ حضرت مدنی صاحبؒ کے کہنے پر مہتمم صاحب نے اگلے دن مدرسے کی چھٹی کروا کے طالب علموں کو جال وغیرہ دے کر تالابوں میں تلاش کے کام پر بھیج دیا۔ دن بھر کی کوششوں کا کوئی فائدہ نہ نکلا۔ طلباء مدرسے کو واپس ہوئے۔ اسی روز عصر کے بعد میں حضرت مہتمم صاحبؒ کے باغ کی طرف گیا تھا اچانک دیکھا کہ سامنے سے مولوی میاندادؒ بغل میں وہی کپڑے دبائے ہوئے آ رہے ہیں۔ میں نے دیکھتے ہی ڈانٹنا شروع کیا۔ اور کہا کہ تمہاری وجہ سے تمام مدرسہ پریشانی میں پڑ گیا۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟ اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا کہ دل میں خیال آیا کہ چلو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ملاقات کرلوں۔ چنانچہ کپڑے دھونے کی بجائے وہاں پہنچ گیا۔ مولوی میانداد نے بعد میں دارالعلوم کی مسجد میں طالب علموں سے معذرت کی اور معافی مانگی۔

<u>ایک عالم کی حق پرستی' بھائی کے قاتل پر حسن ظن:</u> (۲۵) فرمایا کہ اس مولوی میاندادؒ کی حق پرستی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ دیوبند سے فراغت کے بعد جب گاؤں آئے تو یہاں ان کے بھائی کو جو کہ دکاندار تھے' کو کسی چور نے رات چوری کے دوران مار ڈالا۔ چونکہ چاندرات تھی اس لئے اس نے قاتل کو پہچان لیا اور موت سے پہلے قاتل کے بارے میں بتا دیا۔ بعد میں جب مقدمہ چلا تو اس وقت کے قانون کے موافق تفتیش اور فیصلے کے لئے جرگہ کا تقرر ہوا' اس جرگے میں ہمارے گاؤں جہانگیرہ کا ایک صوبیدار بھی ممبر تھا۔ مولوی میاندادؒ کے والد نے اپنے بیٹے کو کہا کہ

عبدالحنان کو خط لکھ دو تا کہ اس صوبیدار کو ہماری مدد کا کہے۔ میانداد نے میرے نام مکتوب بھیجا جس میں بجائے اس کے اپنی مدد کا کہتا اس نے لکھا کہ صوبیدار صاحب کو کہے کہ وہ اس معاملے میں خوب کوشش کرے کہ کہیں مدعی علیہ بے گناہ نہ پھنس جائے۔ یہ اس کی حق پرستی تھی۔ بعد میں جرگے والوں نے قاتل کو چودہ سال کی سزا کی سفارش کردی۔ جس پر قاتل نے ڈپٹی کمشنر سے درخواست کی کہ مقتول کا بھائی عالم دین ہے۔ اس سے پوچھا جائے اگر اس نے مجھے مجرم قرار دیا تو پھر مجھے پھانسی کی سزا بھی منظور ہوگی۔ میانداد کو پولیس کے ذریعے بلوایا گیا' ڈپٹی کمشنر نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا اس شخص نے تمہارے بھائی کو قتل کیا ہے؟ اس پر میانداد صاحب نے کہا کہ میرا دل تو یہ نہیں مانتا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو بے قصور قتل کرے گا۔ اس بیان پر ڈپٹی کمشنر نے اسے چودہ سال کی بجائے سات سال کی قید سنائی۔ مولانا عبدالحنانؒ نے فرمایا کہ یہ تھا ہمارے دیوبند کے زمانے کے طالبعلموں اور ساتھیوں کا نمونہ۔ اگرچہ میں خود تو ایسا نہیں لیکن

من گلے ناچیز بودم ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہم نشین درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ذکاوت کی بدولت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی دوران طالب علمی شہرت: (۲۶) شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے بارے میں فرمایا کہ زمانہ طالب علمی میں بوجہ ذکاوت اور فنون کی کتابوں میں مہارت تامہ کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند میں کافی شہرت رکھتے تھے بلکہ بعض کتابیں خصوصی طور پر طالب علم خارج میں مولانا صاحبؒ سے پڑھتے تھے جیسے میبذی اور تصریح وغیرہ۔ مولاناؒ کے درس میں پچاس ساٹھ طالب علم شریک درس رہتے اور احاطہ دار جدید کی چھت پر عصر کے بعد بیٹھ کر پڑھاتے۔ اپنے اسباق میں بھی سب اساتذہ کرام مولانا کی ذکاوت اور ذہانت کے معترف تھے۔

مولانا عبدالحقؒ اخلاق وتواضع کا مجسمہ اور دیوبند میں انجمن اصلاح الکلام کی صدارت:

(۲۷) فرمایا کہ مولانا عبدالحق علمی استعداد اور قابلیت کے علاوہ اخلاق اور تواضع میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اسی وجہ سے طلبہ ان کے گرویدہ اور اخلاق کے معترف تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں طالب علم انجمنیں بنایا کرتے تھے' اور جمعہ کی رات سب اپنی اپنی انجمن کا جلسہ کیا کرتے تھے۔ اور طلباء باری باری کسی خاص موضوع پر تقریر کرتے تھے' ہم پٹھان طالب علموں کی اکثریت نے جو انجمن بنائی تھی اسکا نام اصلاح الکلام تھا۔ مولانا عبدالحق صاحب اس انجمن کے صدر رہتے تھے۔

دہلی میں شر وفساد اور مولانا عبدالحقؒ کی حسن تدبیر سے اس کا خاتمہ: (۲۸) مولانا عبدالحق صاحبؒ کے حسن اخلاق اور حسن تدبیر کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ دہلی میں پٹھان طالب علموں میں آپس میں جھگڑا ہو گیا جس کے نتیجے میں سواتی طالب علموں کے ہاتھوں موضع ٹوپی کا طالب علم قتل ہو گیا۔ پھر کیا تھا اس واقعہ نے اتنی سنگین صورت اختیار کر لی کہ

پشاوری طالب علموں اور سواتی طالب علموں میں ایسی دشمنی ہوگئی کہ کوئی طالب علم اپنے مدرسے یا مسجد سے باہر تک نہیں نکل سکتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے' حتیٰ کہ حکومت وقت بھی اس فساد کے فرو کرنے میں بے بس ہوگئی۔ بالآخر کسی کی تحریک پر ایک وفد دارالعلوم دیوبند آیا کہ اس سلسلے میں مصالحت کی کوشش کی جائے۔ جس پر مولانا عبدالحق صاحبؒ کی قیادت میں ایک وفد بھیجا گیا جس میں پشاوریوں کی طرف سے مولانا عبدالحقؒ' ہزارویوں کی طرف سے قاضی احمد اور سواتیوں کی طرف سے مولانا عبدالمتینؒ' بلوچستانیوں کی طرف سے میاں حسن شاہؒ کے بڑے بھائی شامل تھے' دہلی روانہ ہوا۔ جب وفد دہلی پہنچا اور فریقین سے بات چیت ہوئی تو اہل جرگہ کے خلوص نیت اور خصوصاً مولانا عبدالحق صاحبؒ کی نرم گفتگو' موثر نصیحت اور پراثر شخصیت نے کام کر دیا۔ اور شر کے بادل چھٹ گئے اور راضی نامہ ہوگیا۔ جب فضاء ہموار ہوگئی اور شر وفساد دفع ہوا تو دہلی کے لوگوں نے عموماً اور حکماء دہلی نے خصوصاً تعجب کیا اور کہا کہ جو فساد حکومت کی طاقت پر نہ دب سکا وہ چند آدمیوں کے آنے سے کیسے دَب گیا۔ اس واقعہ سے دارالعلوم کی تاثیر کے لوگ اور بھی زیادہ معترف ہوگئے۔

فراغت سے متصل مولانا عبدالحقؒ کا دیوبند میں تقرر اور معاصرین کی رقابت:

(۲۹) فرمایا کہ ہمارے زمانے میں ایک ناخوشگوار واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ ہمارے ایک صوفی منش استاد حضرت مولانا نبیہ حسنؒ صاحب کا انتقال ہوگیا تو ان کی جگہ دوسرے مدرس کی ضرورت پیش آئی۔ مولانا عبدالحق صاحبؒ کی قابلیت اور تبحر علمی کے حضرت مہتمم صاحبؒ اور دیگر اساتذہ بھی قائل تھے' اس وجہ سے نظر انتخاب اُن پر پڑی۔ چنانچہ ان کے تقرر کا فیصلہ اور اعلان کر دیا گیا۔ مگر پٹھان طالب علموں میں سے بعض جو حسد اور رقابت سے مجبور تھے' انہوں نے یہ تحریک چلائی کہ ہمارے ساتھ پڑھنے والے کیسے ہمارے استاد ہوں گے؟ انہوں نے مخالفت میں درخواست لکھ دی ان کے ساتھ بعض ہندوستانی بھی قومی تعصب کے بناء پر ہمنوا بن گئے۔ جس کی وجہ سے وہ تقرر منسوخ کر دیا گیا۔ لیکن بعد میں اس تحریک کے نتائج مولانا عبدالحقؒ کے حق میں بہت مفید ثابت ہوئے۔ جب مولانا عبدالحق صاحبؒ وطن تشریف لے آئے تو اس مخالفت نے عام طالب علموں کو مایوس کر دیا اور سخت ناراض ہوئے۔ چنانچہ ہزارہ کے طالب علم جو عام طور پر مولانا عبدالحقؒ کے معترف اور شاگرد تھے' انہوں نے اس بات کو محسوس کرتے ہوئے مخالفت کرنے والوں سے انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ اتفاق سے جن استاذ کا تقرر اس خالی جگہ پر ہوا وہ حضرت مولانا نافع گل صاحبؒ تھے' جو کہ اس مخالفت کرنے والے شخص کے استاذ تھے۔ اس شخص نے نافع گل صاحبؒ کو استقبالیہ دیا' جس میں کافی طلباء بھی شریک تھے۔ اس دوران عبدالقیومؒ نامی ایک طالب علم جو غازی کے پاس موضع خانوکا کا رہنے والا تھا اور بعد میں سکول میں ٹیچر تھا۔ وہ بن بلائے گیا اور بیٹھتے ہی مولانا نافع گل صاحبؒ سے صدرا میں ایک سوال کیا کہ اس کی وضاحت کیجئے۔ مولانا نافع گلؒ جید عالم تھے' لیکن اچانک اور بلاموقع کے سوال سے ناراض ہوئے' تو اس مجلس کے داعی نے اس

بات کو مولانا نافع گل صاحبؒ کی بے عزتی جانتے ہوئے عبدالقیومؒ کو ایک دو گھونسے رسید کیے اور دھکے دے کر کمرے سے باہر نکال دیا۔ دوسرے دن عبدالقیومؒ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ انتقام لینے کیلئے مطبخ کے راستے میں احاطہ مولسری میں بیٹھ گیا۔ جب وہ شخص مطبخ سے کھانا لا رہا تھا تو عبدالقیومؒ نے اس پر لاٹھیوں کے وار کیے جس سے وہ زخمی ہو کر گر پڑا، اس کے بعد وہ شخص اپنے علاقے کے لوگوں کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ میری مدد کرو۔ یہ واقعہ جب حضرت مہتمم صاحبؒ اور حضرت شیخ الحدیث مدنی صاحبؒ کو معلوم ہوا تو دونوں طالب علموں ضارب اور مضروب کو خارج کر دیا گیا۔ جس پر دونوں رونے لگے۔ اور سوچا کہ اب کیا کریں گے؟ اس لئے دونوں نے از خود مصالحت کی اور دوبارہ داخلے کے لئے کوشش کرنے لگے۔ مگر مہتمم صاحبؒ نہ مانے اور فرمایا کہ یہ حضرت مدنی صاحبؒ کا حکم ہے، چنانچہ وہ دونوں اسیر مالٹا مولانا عزیر گل صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اور انہیں مجبور کیا کہ حضرت مدنی صاحبؒ آپ کی بات رد نہیں کرتے۔ آپ کہہ دیں کہ ان دونوں کا سال خراب ہو جائے گا اس لئے داخلہ دلوا دیں۔ اس پر مولانا عزیر گل صاحبؒ حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ دونوں طالبعلم آپس میں راضی ہو گئے تو آپ کیوں داخل نہ کرنے پر اصرار فرما رہے ہیں۔ حضرت مدنی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ دوبارہ شرارت کریں گے۔ جس پر انہوں نے معافی مانگی اور آئندہ نہ کرنے کا اقرار کیا۔ چنانچہ اس طرح دوبارہ ان کو داخلہ مل گیا۔ مزید فرمایا کہ مولانا عبدالحق صاحب نے کبھی بھی بعد کی زندگی میں ان مخالفت کرنے والے معاصرین کے ساتھ دل میں کدورت نہیں رکھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے بڑا کام لیا۔ اور مخالفت کرنے والے ہاتھ ملتے رہے۔

<u>حضرت مدنیؒ سے بیعت اور اکوڑہ خٹک میں تعلیم القرآن سکول کی بنیاد:</u> (۳۰) ایک دفعہ احقر نے بیعت کے بارے میں پوچھا کہ آپ نے کس سے کی ہے تو فرمایا کہ ۳۳ء یا ۱۹۳۴ء میں سرحد اسمبلی میں ایک بل شریعت بل کے نام سے پیش ہوا جس میں وراثت وغیرہ معاملوں کو شریعت کے موافق فیصلے کروانے کے قوانین تھے۔ یہ بل ملک خدا بخش ڈیرہ اسماعیل خان والے نے پیش کیا تھا، اس سے پہلے جب انگریزی حکومت بنی تو بعض معتبر پٹھانوں نے قانون واجب الارض برائے سرحد میں لکھوایا تھا کہ فیصلہ رواج سے کریں گے اور پٹھانوں کا رواج جاہلیت عرب کے مانند تھا کہ لڑکیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ بل رائے عامہ کیلئے مشتہر کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں پشاور میں ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ہندوستان سے بڑے بڑے علماء تشریف لائے۔ حضرت مولانا مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ حضرت مولانا احمد سعیدؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ جیسے اکابر تشریف لائے تھے۔ جب وہ کانفرنس ختم ہوئی تو مولانا عبدالحقؒ جوان دنوں اپنے گاؤں اکوڑہ خٹک میں اپنی مسجد میں تدریس فرما رہے تھے، نے حضرت مدنیؒ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ہمیں اکوڑہ خٹک میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد آپ سے رکھوانی ہے۔ اس وقت مدرسہ تعلیم القرآن کرائے کے مکان میں جاری تھا۔ حضرت مولانا مدنیؒ نے درخواست قبول

فرمائی، جب یہ باتیں طے ہوگئیں تو موضع پبی کے ایک عالم شاید ان کا نام واحد اللہ یا احمد اللہ تھا، انہوں نے بھی یہ درخواست پیش کردی کہ جب آپ اکوڑہ خٹک تشریف لے جارہے ہیں تو راستے میں پبی میں ہمارے مدرسے کا افتتاح فرماتے جائیے۔ چنانچہ حضرت نے مان لیا پشاور سے ایک گاڑی جس میں حضرت مدنیؒ کیساتھ مولانا عبدالحقؒ صاحب، مولانا ایوب جان بنوری صاحبؒ اور بندہ (عبدالحنان) بیٹھ کر پبی آئے۔ مگر وہاں پر انتظام ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے رات ٹھہرنا پڑا۔ رات کو حضرت مدنی صاحب حسب معمول تہجد کیلئے بیدار ہوئے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو مولانا عبدالحق صاحبؒ اور مولانا ایوب جان بنوریؒ نے بیعت کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت نے ان کو بیعت کیا چونکہ میں نے دورہ حدیث نہیں پڑھی تھی اس لئے فرمایا کہ تم ابھی طالب علم ہو، دعا تو کی اور وظائف بھی ارشاد فرمائے۔ مگر بیعت نہ کی۔ بدقسمتی سے بعد میں موقع نہ مل سکا۔

<u>دارالعلوم دیوبند میں کھانے کا اجراء:</u> (۳۱) فرمایا کہ جب میں نے دیوبند میں داخلہ لیا تو مجھے کھانا جاری نہیں کیا گیا، ایک دن مولانا مرتضی حسنؒ کے بیٹے مولانا انوار الحقؒ مجھے مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا حبیب الرحمٰن کے پاس لے کر گئے اور سفارش کی کہ یہ بڑا اچھا طالب علم ہے اس کا کھانا جاری کردیں۔ اس طرح میرے کھانے کا اجراء ہوا۔

<u>اسہال سے حالت کا غیر ہونا اور ایک حکیم کی دوائی کی تاثیر:</u> (۳۲) فرمایا ایک دفعہ مولانا عبدالحق فتح پوریؒ کے ساتھ ایک نواب صاحب نے ہماری دعوت کی۔ اس دعوت کے بعد میرا ہاضمہ خراب ہوا اور اسہال شروع ہوا۔ حالت بہت زیادہ بگڑی، میں اپنے ساتھیوں کیساتھ ایک صحرا گیا، بار بار کے اسہال سے میری حالت اس حد تک گرگئی کہ ساتھیوں کو یقین ہوچلا کہ ابھی میں مرنے والا ہوں۔ یہ دیکھ کر کچھ دوستوں نے بجائے اس کے کہ میری تیمارداری کریں میرے ازار بند سے روپیہ اور نقدی نکال کر وہاں سے رفو چکر ہوگئے۔ کئی گھنٹوں کے بعد میں ہمت کر کے قریبی دیہات پہنچا، یہاں مجھے کسی نے بتایا کہ دہلی کے مشہور حکیم آئے ہیں۔ میں نماز کے لئے مسجد گیا، عصر کی نماز کے بعد اس حکیم سے معائنہ کروایا۔ نبض وغیرہ دیکھ کر کہا کہ یہ دوائی لے لو اور ساتھ ہی کچھ نقدی بھی دے دی کہ تم طالبعلم ہو، تمہارے پاس کچھ نہیں ہوگا۔ دہی، بالائی وغیرہ لے کر یہ دوخوراک کھالو۔ اس دوائی سے فوری تاثیر پائی۔ بعد میں وہ ساتھی جو مجھ سے نقدی لیکر بھاگ گئے تھے مجھے دیکھ کر شرمندہ ہوتے تھے

<u>آخری تمنائیں و آرزوئیں:</u> (۳۳) مرض وفات کے دوران ۱۴ ردسمبر ۲۰۱۰ء کو احقر نے پوچھا کہ آپ کی کوئی تمنا یا آرزو ہو تو فرمایئے، اس پر کہا کہ میری دنیا کی کوئی آرزو اور تمنا نہیں ہے۔ اگر ہے تو سب سے بڑی آرزو ایمان کی حالت میں موت کی ہے۔ اس کے بعد اگر موقع ملا تو زیارت حرمین شریفین نصیب ہو اور زندگی نے وفا کی تو اپنے اساتذہ کرام کی قبور پر فاتحہ اور زیارت مادر علمی دیوبند نصیب ہو۔

مولانا زید احمد نعمانی

پاکستان کیلئے خطرے کی گھنٹی

سانحۂ ایبٹ آباد نے ملکی حالات کو جس بھنور کے سپرد کیا ہے، اس کا منظر قوم کے سامنے ہے۔ 2 مئی کے واقعہ نے ہر فرد کے ذہن میں شبہات کا ایک طوفان پیدا کر دیا ہے۔ ملکی سلامتی کو درپیش خطرات نے ہر محب وطن شہری کو ذہنی انتشار میں مبتلا کر رکھا ہے۔ روز طلوع ہونے والا سورج اس گمبھیر سیاہی میں اضافہ کرتا دکھائی دے رہا ہے۔ ایبٹ آباد آپریشن کے بعد پارلیمنٹ سے پاس ہونے والی مشترکہ قرارداد، حالیہ چھ ڈرون حملوں کی دھولیں بیٹھتی دکھائی دے رہی ہے۔ گویا موجودہ امریکی قزاق طیاروں کی ننگی جارحیت نے ثابت کر دیا ہے کہ ملکی پارلیمنٹ کی کوئی اجتماعی آواز ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ چنانچہ امریکی اراکین کانگریس کی یاوہ گوئیاں اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہیں۔ جبکہ پاکستانی حکمران امریکی ہفوات کا منہ توڑ جواب دینے کے بجائے، مسلسل ان کی کاسہ لیسی میں مصروف ہیں۔ یہ شرمناک طرز عمل ارباب اقتدار کیلئے کسی تازیانے سے کم نہیں۔ جان کیری ہو یا مارک گراسمین ہر ایک کی زبان وہی ساز بجا رہی ہے، جو دشمنانِ پاکستان سننا اور سنوانا چاہتے ہیں۔ سابق دختر فروش صدر کی بے نیل مرام پالیسیوں کے تسلسل کو موجودہ جمہوری حکمرانوں نے جس طرح بڑھاوا دیا ہے، اس کی آگ اب ہر طرف تباہی و بربادی کے ان مٹ نقوش ثبت کر رہی ہے۔ ___ دنیا بھر میں جس فوج کا لوہا مانا جاتا ہے، آج اسکا وقار داؤ پر لگا ہوا ہے۔ دنیا کی ساتویں جوہری قوت کفریہ طاقتوں کے ہاتھوں بازیچہ اطفال بنی نظر آرہی ہے۔ قومی سلامتی پر مامور اداروں کی کردار کشی کا جو کھیل عالمی سطح پر کھیلا جا رہا ہے، اس کے پس منظر میں صیہونی ریشہ دوانیوں کا اثر صاف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اس موقع پر اپنوں کی بے وفائی و جفا کاری سے بھی صرف نظر ممکن نہیں۔ پاکستانی عوام اور عساکر پاکستان کے مابین تناؤ، تضاد اور کھچاؤ پیدا کرنے کی جو کوششیں کی جارہی ہیں، اُس میں ملکی قیادت کی ناقص تدبیروں کے عمل دخل سے کون صاحب عقل انکار کرسکتا ہے؟ قوم سوال کرنے پر مجبور ہے کہ آخر ہم کب تک دوسروں کی جنگ کا ایندھن بنتے رہیں گے؟ جس نام نہاد دہشتگردی کے خاتمے کیلئے صلیبی افواج افغانستان پر حملہ آور ہوئی تھیں، کیا وہ اس کے انسداد میں کامیاب ہو چکی ہیں؟ اگر نہیں تو پھر پاکستان کے خلاف امریکی کارروائیوں کے کیا پوشیدہ مقاصد ہیں؟

موجودہ احوال و واقعات کا سرسری مشاہدہ بھی کیا جائے تو جو امر ابھر کر سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ ملک اندرونی و بیرونی آزمائشوں میں گھر چکا ہے۔ گرانی، غربت، عدم تحفظ، توانائی کی قلت جیسے لاتعداد حل طلب مسائل ہیں، جن سے خدمت کے دعویداروں نے آنکھیں موند رکھی ہیں۔ طرفہ تماشا یہ کہ ہمارے عمومی رویوں میں بدعنوانی، جھوٹ، خیانت، رشوت، کام چوری، مفاد پرستی، عصبیت، منفی اختلافات اور عدم اتفاق سمیت دوسروں کے نقصان کو اپنا نقصان نہ سمجھنے جیسے روحانی امراض برگ و بار لا رہے ہیں۔ اخلاقی پستی کا یہ عالم ہے کہ اس وقت معاشرے

میں صداقت و دیانت، اتحاد و اتفاق اور قومی امور پر یکجہتی جیسی صفات نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔ اس تناظر میں یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ دشوار نہیں کہ، ہماری شامت اعمال نے ہمیں مصیبتوں کی دلدل میں دھکیل دیا ہے۔

درد کی ایک ٹیس ہے جو وقفے وقفے سے دل کے سکون کو بے سکونی میں بدل دیتی ہے۔ کل تک جن کی سلامتی کی دعائیں لبوں پر تھیں، آج وہ ہم میں نہیں رہے۔ وہ شخص جس کا ہر پل اور ہر سانس مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم پر اشک بار تھا، جو قبلہ اول کی آزادی اور حرمین شریفین کے تحفظ کو اپنا مشن بنا چکا تھا، جس نے عشرت کدوں کو چھوڑ کر سنگلاخ پہاڑوں کو اپنا مسکن بنایا، جس نے وقت کے فرعونوں کے سامنے خدائے بزرگ وبرتر کی توحید کا اعلان ڈنکے کی چوٹ پر کیا، جس نے صہیونی ارادوں کے سامنے سد سکندری کا کردار ادا کیا۔ لاریب اِس دم، فردوس کے بالاخانوں میں اپنی کامرانی پر خوب نازاں وشاداں ہوگا۔ آخر اس کی عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا ہوگا۔ ماضی کے اوراق پلٹتے جایئے۔ ایسے کئی سرفروش وجانباز نظر آئیں گے، جن کے خون کی سرخی اسلام کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت اور "جتنا دباؤ گے، اتنا ہی ابھرے گا" کا عملی تصور پیش کرتی دکھائی دیتی ہے۔

وقت حاضر کا فرعون بھی اپنی چنگیزیت میں بے مثل ہے۔ عراق، افغانستان، پاکستان، لیبیا، فلسطین اور کشمیر سمیت کونسا مسلم خطہ ہے جہاں بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کے پنجے نہ گڑھے ہوئے ہوں؟ جہاں معصوم بچوں کا قتل عام نہ کیا گیا ہو؟ لمحۂ موجود میں اس کا غرور وتکبر افغان کہساروں کے درمیان ہچکولے کھا رہا ہے۔ اُس کے چہرے سے مساوات اور انسانی حقوق کا نقاب الٹ چکا ہے۔ دس برس بیشتر افغانستان کو لقمہ تر سمجھنے والوں کے لیے افغان سرزمین گلے میں پھنسی ہڈی بنی ہوئی ہے، جو نگلی جاسکتی ہے نہ اگلی جاسکتی ہے۔ امریکا ایسے وقت میں جب اسے ذلت آمیز شکست کا سامنا ہے شیخ اسامہ کی شہادت کو اپنے کھاتے میں ڈال کر، امریکی قوم اور بین الاقوامی طاقتوں کے سامنے اپنا گرتا ہوا تاثر بچانے کی سعی لاحاصل کر رہا ہے۔

پاکستان سے متعلق 2 مئی کے بعد جو لب ولہجہ امریکی حکام کا سامنے آیا ہے، وہ اپنی جگہ معنی خیز ہے۔ صہیونی منصوبہ سازوں نے صلیبی جنگ کو جس خاموش حکمت عملی کے تحت پاکستان منتقل کر دیا ہے، وہ ہمارے پالیسی ساز اداروں اور قومی سلامتی پر مامور افراد کی آنکھ کھول دینے کیلئے کافی ہو جانا چاہیے۔ ایبٹ آباد آپریشن اس سلسلے کی بنیادی کڑی معلوم ہوتی ہے۔ مذکورہ کارروائی وہ دوراہا ہے جہاں سے امریکا اور پاکستان کے راستے مکمل طور پر جدا ہو جاتے ہیں۔ اب چاہے سربراہان مملکت اسے فتح عظیم کا نام دیں یا اپنے خلاف اعلان جنگ کا طبل سمجھیں۔ مزید یہ کہ اب تک جس خودمختاری اور آزادی کے دعوے کیے جاتے رہے ہیں، اسکی حقیقت فقط اتنی رہ گئی ہے کہ ہر امریکی جارحیت کے بعد دبے لفظوں ایک مذمتی بیان جاری کر دیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ منہ توڑ جواب دینے کا اعلان کر کے قوم کے جذبات کو تھپکی دی جائے۔ یہ امر کسی صاحب نظر سے چھپا ہوا نہیں ہے کہ جس دہشت گردی کے خاتمے کیلئے ہمارے بے حمیت حکمران امریکا کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں، وہ اصل میں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔

چنانچہ سیاسی وعسکری قیادت کی پرزور مذمت کے باوصف 6 مئی کو ہونے والے امریکی ڈرون حملے نے پاکستان کی داخلی وخارجی آزادی کو ایک بار پھر چیلنج کر دیا ہے۔ساتھ ہی ہمارا ازلی دشمن اپنی بھانت بھانت کی بولی سے غوغا آرائی میں مصروف نظر آرہا ہے۔گزشتہ حملوں کی طرح حالیہ فضائی حملے میں بھی کسی دہشت گرد کے مارے جانے کی اطلاع نہیں ہے۔عساکر پاکستان کے سپہ سالار کے صائب موقف سے یہ تجزیہ اخذ کیا جارہا تھا کہ پاکستان اب اپنی فضائی حدود کی خلاف ورزی کسی صورت برداشت نہیں کرے گا۔مگر نتیجہ ڈھاک کے تین پات سے مختلف نہ نکلا۔فی الحقیقت معصوم پاکستانیوں اور غیور قبائلیوں کا خون چھپائے نہیں چھپ رہا۔محب وطن شہداء کا لہو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے ہم وطنو! عنقریب یہ آگ تمہاری دہلیز کو چھونے والی ہے۔ــــ اس امر میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں ہے کہ اسلامی برادری میں پاکستان ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔جس کے پس منظر میں تقسیم برصغیر اور قیام پاکستان کی پوری تاریخ موجود ہے۔عالم اسلام میں مادر وطن واحد ایسی مملکت ہے جو عسکری، نظریاتی، ایمانی اور دفاعی حوالے سے مضبوط حیثیت کی حامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ باطل کے تمام تیروں کا رخ ارض پاک کی جانب مڑ چکا ہے۔یہاں موجود جوہری طاقت ،اسرائیل نواز قوتوں کے سینے پر مونگ دل رہی ہے۔عظیم تر اسرائیل کے منصوبے کے آگے اگر کوئی ملک اپنی آواز بلند کرسکتا ہے تو وہ مملکت خداداد ہے۔ایسے میں بھلا ایک مستحکم، پرامن اور ترقی یافتہ پاکستان آخر انہیں کیسے قابل قبول ہوسکتا ہے ،جن کی پوشیدہ عداوت ان کی زبانوں سے نکل نکل کر ظاہر ہو رہی ہے۔ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ امریکی چوکھٹ پر اپنا ماتھا ٹیکنے اور اس کو اپنا حاجت روا ماننے والے ہمارے ارباب اقتدار بھی غیروں کی جنگ میں معاون وشریک کار ہیں۔نتیجتاً نام نہاد انتہا پسندی اور دہشت گردی کا خاتمہ تو کیا ہوتا، الٹا ختم نہ ہونے والی بدامنی ،اقتصادی بدحالی اور روزافزوں گرانی جیسے مسائل نے ملک کو گھیر رکھا ہے۔قوم پریشان ہے۔غریب اپنی غربت کے ہاتھوں خودکشی پر مجبور ہے۔لوٹ کھسوٹ ،فرائض سے پہلوتہی اور خیانت جیسے معاشرتی ناسور برساتی کیڑوں کی طرح ہر جگہ سر اٹھا رہے ہیں۔ــــ متذکرہ حقائق کے پیش نظر امریکی افواج کا آپریشن ''جیرونیمو'' ارض وطن کے خلاف خطرے کی گھنٹی ہے۔ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر فرد اپنی جگہ خود احتسابی کے اسلحے سے مسلح ہو۔اس وقت ایک سچا مسلمان اور مخلص پاکستانی ہی عالمی طاقتوں کے ناپاک ارادوں کو روکنے میں کلیدی کردار ادا کرسکتا ہے۔یقیناً آپس کے تفرقات واختلافات کو پس پشت ڈال کر، باہمی اتحاد واتفاق میں ملکی سلامتی وتحفظ کا راز مضمر ہے۔اس وقت عصبیت کے بدبودار نعروں کو چھوڑ کر اسلامی اخوت کے رنگ میں رنگ جانا، ہماری نجات کی سب سے بڑی دلیل بن سکتا ہے۔سماج میں موجود خرابیوں کو دور کرنے اور اصلاح احوال پر توجہ دے کر نہ صرف حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کا پروانہ حاصل کیا جاسکتا ہے، بلکہ عالمی سامراجوں کی پشت پر ضرب کاری بھی لگائی جاسکتی ہے۔کیونکہ یہی قرآنی حقیقت بھی ہے اور زمینی واقعات کا موجودہ تقاضا بھی۔ورنہ عیار دشمن کا چھپا وار سامنے آنے تک بہت کچھ ہاتھ سے نکل جانے کا امکان ہے۔پھر ہماری قسمت میں کف افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

جناب ریحان اختر

حجاب سے فرانس خوفزدہ کیوں؟

یورپ کی غلامی میں آ کر جب عالم اسلام کے ذہن وفکر اور تہذیب واخلاق غیر اقوام کی تہذیب سے متاثر ہوگئے، اور دینی وعلمی اور اخلاقی فتنوں نے اسلامی تہذیب ومعاشرت پر یلغار کی، تو سب سے پہلے اسلام کے نظام ستر، حجاب، پردہ اور عورتوں کے مقدس اور محترم مقام ومنزلت اور اس پر مبنی ایک پاکیزہ خاندانی نظام کو تہ وبالا کرنے کے لئے مستشرقین یورپ، غیر مسلم مصنفین اور موجود دور میں مغربی تہذیب کے دلدادہ دانشوران قوم یورپی تہذیب وکلچر کو معیار حق وانصاف سمجھنے والے نام نہاد اسلامی مفکرین ومصلحین نے بھی ستر وحجاب کو نشانہ تضحیک بنانے سے گریز نہیں کیا۔ مسلمانوں میں بھی مغرب سے مرعوب ذہن وفکر نے مغربی پروپیگنڈہ کی تقلید کی تو کبھی تعدد ازدواج کی ہنسی اڑائی گئی، پردہ کو مشق تحقیق بنایا اور کبھی مسلمان عورتوں کی نام نہاد مظلومیت اور گھروں کی چہار دیواری میں قید وبند کا ماتم شروع کیا، اس طرح سے مسلمان عورتوں کی ایک نہایت بھیانک قابل رحم تصویر بنا کر دنیا کے سامنے پیش کردی حالانکہ صداقت اس غلط بیانی کے برعکس ہے۔

دنیا بھر کے اقوام وملل اور انسانی رسم ورواج میں عورت جس ظلم وستم اور تذلیل وتحقیر کی حالت میں مبتلا تھی۔ دنیا کی تاریخ اس المناک داستان سے بھری پڑی ہے، عورت ذات کو محض ایک آلۂ تعیش، ذریعہ لذت بنا کر رکھ دیا گیا تھا اس کی حیثیت ووقعت مردوں کے لئے ایک مشترکہ قومی ملکیت کی سی تھی۔ لوگوں کے تفریح طبع کا ایک سامان تھی، اس کا مشغلہ صرف اتنا تھا کہ غلاموں کے مانند مردوں کے آرام وراحت رسانی میں لگی رہے۔ اور نت نئی اداؤں دلفریب مسکراہٹوں اور نمود ونمائش کے نئے نئے طریقوں سے مردوں کو سامان تسکین فراہم کرتی رہے۔ ایک مرد بلا لحاظ عدل و انصاف اور بلا لحاظ تعداد جتنی چاہے عورتوں کو نکاح یا تمتع میں رکھ سکتا تھا حتیٰ کہ اپنے خونی رشتے سے جسمانی تعلق قائم کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔

لیکن اسلام نے آ کر ایک طرف تو اس نحیف وکمزور اور ضعیف وناتواں کے جسم سے ظلم واستبداد ذلت ورسوائی کی ساری بیڑیاں توڑ ڈالیں۔ اور اسے مقام انسانیت اور شرف وفضل میں مردوں کے ہمسر قرار دیا فرمایا،

---

* ریسرچ اسکالر، شعبۂ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی، ترجمہ اے لوگوں یقیناً ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ الحجرات، آیت ۱۳، دین اسلام نے عورتوں پر ہونے والے تمام بے جا ظلم و جور، تحقیر و تذلیل کو اس طرح ختم کر دیا کہ عورت ذات مرد کی دست درازیوں اور درندہ صفت انسانوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی۔ اور ان کی حفاظت کے لئے وہ تمام طریقہ کار اختیار فرمایئے جو انسانیت کے لیے حد درجہ ضروری ہے، اور عورت کو اس کی حیثیت و وقعت کو ایک بیش بہا خزانہ ایک قیمتی سرمایہ اور انمول موتی اور ایک نازک آبگینہ قرار دیا۔

قرآن وسنت پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ مرد و عورت کو معاشرتی زندگی گذارنے کے لئے خالق کائنات نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح رہنمائی کی ہے۔ اس کے بعد ایک انصاف پسند اور جویائے حق طبیعت خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ خدا اور رسول کا کیا منشاء ہے۔ ارشاد ربانی موجود ہے۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولی (الاحزاب، آیت ۳۳)۔ ترجمہ اور گھروں میں ٹھہری رہو اور پچھلی جاہلیت کی زینت، نمائش ترک کردو۔

عفت وعصمت اور پاکدامنی و پاکبازی کو ملحوظ رکھتے ہوئے چلتے پھرتے عورتوں پر پابندی عائد کی کہ وہ ایسے لباس میں ملبوس رہیں کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ اور کوئی عضو ایسا نہ کھلا رہے جس سے مخفی محاسن کی نمود و نمائش ہو، اللہ پاک کا ارشاد ہے۔ والیضربن بخمر ھن علی جیوبھن، سورہ النور، آیت ۳۱.

اپنے سینوں اور گریبانوں پر دوپٹوں کا آنچل مار لیں۔

ایک دوسری جگہ از دواج مطہرات، بنات اطہار اور تمام مسلمان عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ پاک نے فرمایا۔

یدنین علیھین من جلا بھین، سورہ الاالاحزاب، آیت ۶۹

وہ لمبی لمبی چادریں اپنے اوپر ڈھانپ لیں۔

علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں۔ "یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورتوں کو اجنبیوں سے چہرہ چھپانے کا حکم ہے اور اسے گھر سے نکلتے وقت پردہ داری اور عفت مآبی کا اظہار کرنا چاہئے۔ تاکہ بدنیت لوگ اس کے حق میں طمع نہ کر سکیں (احکام القرآن، جلد۳، ص، ۴۵۸)۔

علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں عورتیں جاہلیت کی طرح قمیص اور ڈوپٹے کے ساتھ نکلتی تھیں۔ اور شریف عورتوں کا لباس ادنیٰ طبقہ کی عورتوں سے مختلف نہ تھا پھر حکم دیا گیا کہ وہ چادریں اوڑھیں اور اپنے سر اور چہروں کو چھپائیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ وہ شریف عورتیں ہیں، فاحشہ نہیں ہیں۔ غرائب القرآن بر حاشیہ ابن جریر، جلد۲۲، ص، ۳۲۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے۔ ان المرأة عورة مستورة فاذا خرجت استشرفھا

الشیطان (رواۃ الترمذی)۔ بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہوتی ہے جب وہ باہر نکل جاتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے کہ اب کسی کو دامِ فریب میں فساؤں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سوار ہمارے قریب سے گذرتے تھے اور ہم عورتیں رسول اللہ کے ساتھ ساتھ احرام میں ہوتی تھیں۔ پس جب وہ لوگ ہمارے سامنے آجاتے تو ہم اپنی چادریں اپنے سروں کی طرف سے اپنے چہروں پر ڈال لیتیں اور جب وہ گذر جاتے تو کھول لیتی تھیں (سنن ابی داؤد باب فی المرأۃ تعطی وجهها)۔

شمس الائمہ سرخسی نے کہا کہ دیکھنے کا حرام ہونا فتنہ کی وجہ سے ہے اور عورت کا چہرہ دیکھنے میں فتنہ (گناہ) کا خوف واندیشہ ہے اس وجہ سے دوسرے کے بالمقابل عورت کے چہرہ میں حسن وکشش زیادہ ہوتی ہے (المبسوط، ص۱۵۲-جلد۱۰)۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ مساجد، بازار اور اسفار میں نقاب لگا کر جانے کا عمل ہمیشہ سے چلا آرہا ہے امام غزالی نے فرمایا کہ ہمیشہ مردوں کا چہرہ کھلا ہوا چلا آرہا ہے اور عورتیں نقاب لگا کر نکلا کرتی تھیں (فتح الباری، جلد۹، ص۳۳۷)۔

علامہ سہارنپوری بذل المجہود میں رقم طراز ہیں۔ ''کہ صرف ضرورت کے موقع پر چہرہ کھولنے کا جائز ہونا اس پر امت کا یہ اتفاق دلالت کرتا ہے کہ عورتوں کو چہرہ کھول کر نکلنا جائز نہیں ہے بالخصوص فساد کی کثرت اور اس کے ظہور کے زمانے میں (شرح سنن ابی داؤد جلد۱۴، ص۴۳۱)۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی معرکۃ الآرا کتاب پردہ میں لکھتے ہیں۔ ''کہ جو شخص آیت قرآنی کے الفاظ اور ان کے مقبول عام اور متفق علیہ اور تفسیر اور عہد نبویؐ کے تعامل کو دیکھے گا اس کے لئے اس حقیقت سے انکار کی مجال باقی نہ رہے گی کہ شریعت اسلامیہ میں عورت کے لئے چہرہ کو اجانب سے مستور رکھنے کا حکم ہے جس ذات مقدس پر قرآن نازل ہوا تھا اس کے آنکھوں کے سامنے خواتین اسلام نے اس چیز کو اپنے خارج البیت لباس کا جز بنالیا تھا اور اس زمانے میں بھی اسی چیز کا نام نقاب تھا (پردہ، ص۲۲۷)۔

مگر آج کا یہ دور آزدئ نسواں اور حقوق مساوات وعدل کے نام دے کر اس مقدس ومحترم صنفِ نازک کو دوبارہ اسی جاہلیت، سامانِ راحت وآرام، متاع لہو ولعب کے ماحول کی طرف لوٹانے کی سعی مذموم کررہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شرافت وعزت کی دولت عظیم اور قیمتی خزانہ ایک بار پھر گھر کی دہلیز سے نکل کر سرِ بازار تماشائے عالم بن جائے، رونق خانہ بننے کے بجائے شمع محفل ہو، الات وصنائع اور حقیر سے حقیر مصنوعات کی تشہیر اور فیکٹریوں، تھیٹروں، سنیماؤں، سڑکوں اور میلوں میں اور سیاست کے اسٹیج پر بھٹکتی ہوئی اور رسوا ہوتی ہوئی، مشقتیں اور مصیبتیں اٹھاتی ہوئی مردوں کے نشاط طبع اور ان کے لہو ولعب اور ہوس پرستی کا سامان بن جائے۔

غرض کہ مغرب اور اس کے مقلد ایک بار پھر سے اس مقدس ومحترم اور عصمت وحیا کو سرِ بازار ذلیل ورسوا اور ان کی عفت وعصمت اور پاکدامنی وپاکبازی کو پاش پاش کرنا چاہتے ہیں۔

مفتی ساجد احمد صدوی
نگران شعبہ تخصص فی علوم الحدیث، کراچی

اسلام کے نئے ترجمانوں کا طرز و انداز اور فہمِ دین کا صحیح رخ!

ہر گزرتے دن کے ساتھ کمزوریوں اور غلط فہمیوں کا سلسلہ بھی دراز ہوتا جاتا ہے، وہ باتیں جو کبھی بدیہی اور بحث وتمحیص سے اوپر سمجھی جاتی تھیں، کوئی بھی مسلمان جو دین کے بارے میں بنیادی معلومات رکھتا تھا، وہ اپنے عقیدہ کی پختگی، عمل کی قوت اور قدرے بنیادی معلومات کی روشنی میں یہ بات بخوبی سمجھ لیتا تھا کہ دین میں کس چیز کو بنیاد بتایا گیا ہے؟ کس بات پر زور دیا گیا ہے؟ اسلام کا مزاج کیا ہے؟ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بنیادی، عمومی تقاضے کیا کیا ہوسکتے ہیں؟ مسجد نبوی میں صبح وشام کس بات پر زور دیا جاتا تھا؟ وہ کیا صفات ہیں جس کو اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں؟ وہ کونسی چیزیں ہیں جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے چین کئے ہوتی تھیں؟ کس چیز کا اندیشہ رکھتے تھے؟ کتاب اللہ کی آیتوں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا واضح ،سادہ اور عام فہم تقاضہ، مطالبہ کیا ہوسکتا ہے؟ حضرات صحابہ کی زندگیوں میں کیا نمایاں خصوصیات تھیں؟ یہ سب باتیں اب موضوع بحث بنی ہوئی ہیں، اس لئے نہیں کہ لوگوں کو بتایا جائے؛ بلکہ اس لئے کہ لوگوں کے دلوں میں، ان کے سینوں میں پہلے سے موجود شعور و وجدان یوں کیوں ہے اور یوں کیوں نہیں؟!

مذکورہ بالا عنوانات جو آج کل بڑے بڑے دانشوروں کا موضوع سمجھے جاتے ہیں، عموماً عام دیندار لوگ ان عنوانات کے تحت گفتگو نہیں کرسکتے؛ مگر عنوان نہ سمجھنا کسی بات کی حقیقت یا شعور وادراک نہ ہونے کی دلیل نہیں؛ بلکہ ان کی دینی زندگی اور دینی فکر کو قریب سے دیکھنے، سننے سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے طبعی انداز میں جو کچھ کہہ رہے ہوتے ہیں، کسی کی دینداری یا بے دینی پر رائے دے رہے ہوتے ہیں، دینی حوالے سے کسی بات پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں یا افسردہ ہوتے ہیں، اس میں ان تمام عنوانات کے جوابات خود بخود آجاتے ہیں۔

آج تک دین وشریعت کا متواتر ماحول اور عملی رخ، دینی علوم وتعلیمات جس طرز وطریقہ پر اور جس جس شکل میں ہمارے پاس پہنچی ہیں وہ نہ صرف محفوظ راستے ہیں؛ بلکہ کامل اور مکمل بھی ہیں، ایک عام دیندار بھی یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ یہ دین ہی برحق ہے، اس کی دعوت ساری دنیا کو ہے، یہ پوری دنیا پر، تمام ادیان اور نام نہاد تہذیبوں پر غالب ہونے کے لئے آیا ہے، یہ دین کبھی ان لوگوں کے لئے محبوب اور پسندیدہ نہیں رہا جو اس پر ایمان نہیں رکھتے، ان کا ایمان نہ رکھنا (باوجودیکہ اس کی حقانیت کے اثرات مشاہدہ کرچکے ہوں) ہی اس بغض وعناد اور ضد وہٹ دھرمی

کو سمجھنے کے لئے کافی ہے، جوان نافرمانوں کے دلوں میں موجزن ہے، وہ یقین رکھتے تھے کہ دین وشریعت کی خوبی وسربلندی اور ترقی وکامیابی کے لئے اسلام کا واحد ضامن ہونے کے لئے کسی بحث ومباحثہ کی حاجت نہیں، دین وشریعت کو مرغوب بنانے کے لئے کسی کتر وبیونت کی ضرورت نہیں؟

اسلام کی حالت میں جن کے بال سفید ہوگئے ہیں، جن کی عمریں ڈھل رہی ہیں، ان کی باتیں، ان کے جذبات ان کا والہانہ انداز بھی اس بات کی واضح نشاندہی کرتا ہے کہ بات کیا ہے؟ بالآخر انسان کو سب سے کٹ کر کس چیز کی تمنا، آرزو رہتی ہے؟ جب شباب کا جنوں اترتا ہے، تو انسان پھر اپنی فطرت کی طرف رجوع کرتا ہے۔

فکرِ اسلامی کے نئے علمبرداروں کا مزاج وانداز:

مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اس قدر واضح باتیں بھی اب دھندلائی جارہی ہیں، اب نئی تعبیر وتشریح کے لئے ایسے لوگ فکر مند ہیں جن کی زندگیاں مغرب کی کاسہ لیسی میں گزری ہیں، جن کا دل ودماغ مغربی ہے، اور طرفہ تماشہ یہ کہ ایسے لوگ بھی اب دین کی صحیح تعبیر وتشریح کرتے ہوئے ہچکچاتے نظر آتے ہیں جن کے آباء واجداد حق وباطل کی آویزش میں واضح علامت ہوا کرتے تھے، وہ یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ اب ہوٹلوں میں، نئی تہذیب وتمدن کی علامتوں کے مقامات پر اور بڑے بڑے ہالوں کی ڈائسوں پر وہ باتیں نہیں کی جاسکتیں جو سننے والوں کو مرغوب نہ ہوں، جن سے ان کے ماتھے پر شکن آسکتے ہوں، جو ان کے ضمیر کو جھنجھوڑ سکتے ہوں۔

ہوٹلوں میں سیمینار، کانفرس منعقد کرانے کو ہی فتح ونصرت سے تعبیر کرنے والے، ٹی وی چینلوں پر معذرت خواہانہ انداز میں رواداری اور حسنِ گفتار وحسن سلیقہ کا مظاہرہ کرنے کو کامیابی کی کلید سمجھنے والے، مغربی دنیا اور استعمار زدہ ذہنیت کی حامل تعلیم وتربیت کے نظام کی بیساکھیوں کے بغیر پیغمبرانہ دعوت وتعلیم کو ناتمام اور زمانے کی رفتار سے بے خبر خیال کرنے والے، جھوٹ، فریب، تلبیس، استعماریت کے پرچار اور دھوکہ دہی کی گرم بازاری پر چلنے والے نئے ذرائع اِبلاغ، نام نہاد میڈیا کی توجہ، تعریف کو سند وقابل اعتبار باور کرانے والے، مغرب سے ساز باز کرکے اپنے لئے دنیا میں رہنے کا جواز حاصل کرنے کو وقت کی سب سے بڑی ضرورت، مادیت کی دوڑ میں شرکت کی خاطر اسلام دشمن طاقتوں کے شانہ بشانہ چلنے کو ترقی کا راستہ سمجھنے والے اور مجبوریوں اور دفع الوقتیوں پر قوم کے مستقبل کی تعمیر کرنے کے خواہشمند دانشوروں کا جو پیغام اسلام اور مسلمانوں کے نام مختلف طور وطریقوں سے سامنے آتا ہے، وہ بزدلی، خوف، احساسِ کمتری، خدا بیزاری، دنیا طلبی، نفس پرستی، سستی، کاہلی، عقیدہ وعمل سے دوری، حقائق سے اغماض، ظاہر پرستی، ابن الوقتی، غیروں کی کاسہ لیسی، مصادر شریعت سے لاتعلقی، علوم وفنونِ اسلامیہ کے سرچشموں سے بے خبری، دنیا کی محبت، آخرت سے غفلت، عبادات وریاضات کی بابت بدذوقی اور گوناگوں عیوب واثرات کا حامل ہوتا ہے۔

کسی چیز کی اجازت، جواز ہی کو مطمح نظر بنالینا اور اس کے دوررس اثرات، متوقع نتائج سے آنکھیں

بند کر لینا قائدانہ صلاحیتوں کے خلاف ہوتا ہے، جو لوگ مسجدوں، خانقاہوں، مدرسوں اور مراکز میں آنے سے ہچکچاتے ہوں، یہاں آنے کو اپنی شان سے نیچے تصور کرتے ہوں، ان کو کسی بڑے کردار و عمل پر ابھارا نہیں جاسکتا، ان سے کسی بڑی تبدیلی کی توقع نہیں کی جاسکتی، ان کا مزاج و انداز دین و شریعت پر یقین رکھنے والوں سے یکسر مختلف ہوگا؛ تاوقتیکہ یہ علم وروحانیت کے مراکز میں حاضری دے کر دین و شریعت کی روح کو سمجھنے پر آمادہ نہ ہوں، ہاں اگر کسی کی زبانی جمع خرچ وصول کرنے کو ہی ہدف بنایا جائے، تو پھر مسجدوں، خانقاہوں اور دینی مراکز میں کسی کو لانے، بٹھانے کی ضرورت نہیں رہتی، اسکرینوں ہی سے یہ عارضی، وقتی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ ایک دن میں تبدیلی نہیں آسکتی ؛مگر اسلام کا داعی تو اپنے قول و کردار سے اس بات کی ٹوہ میں لگا رہے کہ مغربی تہذیب کے ذرائع، اسکی علامتوں میں، جہاں چند دن کے فرق کے ساتھ گناہوں کے پروگرام ہوئے اور اب ایک دن کے فرق کے ساتھ دوبارہ ہوں گے ،ایسے ماحول اور کمزور سہاروں کی بنیاد پر اٹھنے والی آوازیں کسی پائیدار دینی انقلاب، تبدیلی اور برکات وثمرات کا سبب نہیں بن سکتیں، جو ہمیشہ قربانی، خون پسینہ بہنے سے ہی حاصل ہوتی رہی ہیں؛ اس لئے جب تک ماحول کو بدلا نہ جائے گا، حقائق، مقاصد اور منزل تک رسائی نہیں ہوگی۔

یہ بات تو بالکل صاف ہے کہ ہم تک دین جن واسطوں، ذریعوں اور طرز و انداز سے پہنچا ہے، وہ اب بھی استعمال ہوتے ہیں، ان کا دائرہ اثر ختم یا کم نہیں ہوا، ان کی ضرورت بڑھی ہے، ان میں اخلاص و یقین کی جان پیدا کرنے کی ضرورت ہے، یہ طور وطریقے خود بخود رواج پذیر اور اثر انداز نہیں ہوئے ہیں؛ بلکہ اس میں اختراع وایجاد سے زیادہ انتخاب وقبولیت عنداللہ کی روح کارفرما رہی ہے، دفع الوقتی چیزیں، ذرائع وقتی اثر رکھتی ہیں، اور وقت گزرنے کے ساتھ ان کا، اور انکے چھوڑے ہوئے اثرات کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا، دین کی دعوت، اس کے تقاضے، مطالبے پائیدار اور دیرپا ہوتے ہیں، وہ عوامی رجحانات کی طرح ہوا کے جھونکوں کے ساتھ ہلنے اور بدلنے والے نہیں ہوتے۔

مغربی فکر وفلسفہ کی تسبیح پڑھنے والوں کی تعلیم وتربیت کا رخ:

رواداری، ڈائیلاگ، اتحاد امت اور ضروریات زمانہ کے نام پر بے حال ہونے والے لوگوں کی باتوں کا رخ کسی اور طرف کو ہے، وہ عقیدہ وایمان کی پختگی کی علامتوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، وہ یقین کے مقابلہ میں شکوک وشبہات اور کردار و عمل کے مقابلہ میں گفتار و پندار کا ذوق رکھتے ہیں، ان کی باتوں میں، ان کے پیغام میں، علم، عمل اور مسائل ومشکلات کے ادراک میں حضرات صحابہ کرام، رضی اللہ عنہم اجمعین، سلف صالحین، اولیاء دین کی طرف پلٹ کر جانے کی دعوت، اس کے لازمی اثرات نہیں پائے جاتے؛ بلکہ اس کے مقابلہ میں وہ نئی تعبیر وتشریح، نئے طور وانداز کے خواہاں ہوتے ہیں، وہ ''روایت پسند'' اور ''غیر روایت پسند'' حلقوں کا عنوان قائم کر کے امت مسلمہ کا رخ مغربی

طرز و انداز کی طرف پھیر دینا چاہتے ہیں، ادنی درجہ کی علمی استعداد اور اعلی درجہ کی شہرت و نسبتوں کی بنیاد پر اجتہاد مطلق کے دروازے پر کھڑا ہونا چاہتے ہیں؛ بلکہ تقلید، جمود اور مسائل سے آنکھیں بند کر لینے کے خلاف آواز اٹھانے کے نام پر وہ ایک الگ سی دنیا آباد کیے جا رہے ہیں، جس میں جمہور اہلسنت والجماعت اور دین کی تعبیر و تشریح میں اعتماد کا مقام پانے والے ائمہ، مشائخ، اکابر اور علماء کے متبعین کو اس وقت تک داخلہ کی اجازت نہیں مل سکتی، جب تک وہ مغربیت اور جدیدیت کا ''بپتسمہ'' نہ کروالیں!

اس نئے ''فکر غیر اسلامی'' کے نقیب لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی مغربی یا مشرقی کافر، مشرک اور منافق ان کی کسی بات پر اپنی پسند کا ظہار کرے تو یہ خوشی سے پھولے سماتے نہیں، ایسا لگ رہا ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالی کی خوشنودی کے بجائے انہی آقاؤں کی خوشنودی، ورضا جوئی میں بے خود و بے حال ہوئے جا رہے ہیں۔

اس واسطے ضرورت پڑی کہ وہ باتیں بیان کی جائیں، جو کبھی عامۃ الناس میں بھی بحث و مباحثہ کی چیز نہیں سمجھی جاتی تھیں، ہر مؤمن خود بخود ان کا ادراک و شعور اپنے وجدان میں محسوس کرتا تھا، نری جہالت کے باوجود علم و حکمت کے دعوے کرنے والے ان باتوں کو بالائے طاق رکھے ہوئے ہیں، یا ان سے بالکل بے خبر ہیں، ہر بات کو خوامخواہ موضوع بحث بنالینا، اس کی کوشش کرنا کہ لوگ عملی کردار کے بجائے نری نظریاتی بحثوں میں الجھے رہیں، مغربی تہذیب دروازوں پر دستک دے، اور یہ ابھی تک یہ طے کرنے میں لگے ہوں کہ ہم نے ''گلوبل ولیج'' میں کیسے رہنا ہے؟ مغربی آقاؤں کے ساتھ کیسا رویہ، سلوک رکھنا ہے کہ وہ ہمارے ''غریب دین'' کی تصدیق کرسکیں، ہمیں سرٹیفکیٹ دے سکیں، یہ بحث و مباحثہ میں لوگوں کو الجھانے والے انتشار و خلفشار کو بڑھانے کے نئے راستے تلاش کر رہے ہیں، ان کا پس منظر اور خفیہ مقاصد سمجھنے کی ضرورت ہے۔

یہ صحیح ہے کہ وساوسِ شیطانی کے زیر اثر کام کرنے والے اس کا بھی جواب سوچنے کی کوشش کریں گے؛ مگر دوسرے لوگ (عام مؤمنین) تو ان کی حقیقت جان لیں گے، یہی مقصد ہے اور بس۔

ذیل میں ایک ایسی شخصیت کی تحریر سے استدلال کیا جا رہا ہے، جس کو دین کی دعوت، اس کا پیغام پہنچانے کے حوالے سے ایک نمایاں مقام حاصل رہا ہے، جس نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمہم اللہ جمیعا کی صحبتوں، عنایتوں اور توجہات سے اپنے کو صیقل بنایا تھا، جس کا بجا طور پر ان کو اقرار و اعتراف تھا۔ ان بزرگوں کی تربیت اور توجہات کی بدولت مسلم و غیر مسلم دنیا میں اسلام کی دعوت، اس کی صحیح تعبیر و تشریح کرنے کے حوالے سے گوناگوں مواقع نصیب ہو جانے، نہایت احترام و اکرام کا ماحول ملنے اور شہرت و ناموری کے مقامات سے سرفراز ہونے کے باوجود وہ مغرب زدہ مفکرین کی تعبیر کے مطابق

''روایت پسند'' واقع تھے، ان میں مغربیت، اس کے فکر کی طرف کسی قسم کا جھکاؤ نہیں تھا، بلکہ ایمانی غیرت، عقیدہ کی پختگی اور اپنی روایات و اطوار کو جوامت مسلمہ کے تواتر عملی کے ذریعہ پہنچے ہیں مضبوطی سے پکڑے رہنے میں نہ صرف مثالی تھے، اس کے بڑے داعی اور محافظ بھی تھے۔

نئے مفکرین اور دانشوروں کا احساس کمتری:

حیرت ہے کہ موجودہ ''ہندوستان'' جیسے تنگ نظر ملک میں رہتے ہوئے وہ پوری قوت کے ساتھ اپنی دعوت کو عام کررہے تھے، دوسری طرف طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اگر کسی کو ایک معمولی درجہ کے سیمینار، کانفرس میں شرکت کا موقع دیا جاتا ہے، یا کسی ادارہ، یونیورسٹی کا دعوت نامہ وصول کر لیتا ہے، کسی مغربی ملک کا ویزہ لگ جاتا ہے تو اس کا لب ولہجہ بدل جاتا ہے، اس کی سوچ فکر کا محور ہی بدل جاتا ہے، پھر وہ بات بات میں اپنے بزرگوں اور ان کی برکتوں، امانتوں کی حامل جماعت، افراد اور ان کے طرز و انداز کو زیر لب طعن و تشنیع کا مورد بنا تا رہتا ہے، اس کے اعتراض و اشکال کے سارے تیر اپنوں ہی کی طرف رخ کئے ہوئے ہوتے ہیں، ایسے لوگ دوسروں کے لئے صبر و تحمل کا نمونہ بن جاتے ہیں، اور اپنوں کے بارے میں ہمیشہ ''انتہا پسند'' فکر کا مظاہرہ کرتے ہیں، مغربی تہذیب کی علامات، مقامات یا نام نہاد تعلیم گاہوں میں ''ہم خیال'' تسلیم کر کے ''مدعو'' بن جانے کو (جو صریح شکست کی علامت ہے، وہ) بر بنائے ضعف، و کمتری اپنی فتح خیال کرنے لگتے ہیں۔

وہ دین کی کسی بھی بات کو جو بالکل بدیہی اور واضح و غیر مبہم تصور ہوتی رہی ہے، صرف اس وجہ سے ''موضوع تماشہ'' بناتے ہیں کہ اس کی زد مغربی تہذیب و تمدن یا اس کے مشرقی رکھوالوں کے طرز و انداز، سوچ فکر پر پڑتی ہے، یا ان کو اس بارے میں اشکال کی تکلیف ہوسکتی ہے، یا یہ بات آج کی ''گلوبل ویلج'' میں نا قابلِ قبول کہلائی جاسکتی ہے، یا کوئی تحریر و تقریر محض اس وجہ سے قابل نفرت ہے کہ اس میں مغربی فکر کی حامل اصطلاحات، تعبیرات کا استعمال نہیں؛ کیونکہ مشرقی نہ ہونے کے باوجود ان بھاری بھرکم اصطلاحات اور تعبیرات کے ''مانوس و آسان'' ہونے کو تسلیم کر لیا گیا ہے، اور مستند ترقی یافتہ لوگ اسی کے عادی اور خواہاں ہیں؛ لہٰذا دین کی تعبیر و تشریح کے ذمہ دار حضرات عوام کو صحیح زبان کی تعلیم و تلقین کا آسان، گوناگوں فوائد اور اثرات کا حامل راستہ اختیار کرنے کے بجائے اپنی زبان اور تعبیر بدلنے پر توجہ دیں، ان مغربی بیساکھیوں کے بغیر ''کوئی'' ان کو قبول نہیں کرے گا۔

مستشرقین نے جو جو اعتراضات، اشکالات ''وحی شیطان'' کی بنا پر تیار کئے تھے، یہ لوگ دوبارہ اسی ''مخفی قوت'' کے بل بوتے پر علمی استدلال، قوت مطالعہ اور بحث و مباحثہ کی روایت، غور و فکر کے نئے گوشوں کے نام و دلیل لگا کر ان کو عام کر رہے ہیں، برسوں پہلے ان کی مسترد شدہ مال مصالحے کو، ان کی فرسودہ باتوں، خیالات اور عامیانہ اشکالات کو زبان و بیان کی پالش لگا کر دادِ تحقیق و مطالعہ وصول کر رہے ہیں، اور یوں پوری دینی فضا کو مسموم بنانے پر تلے

ہوئے ہیں۔

دین (اسلام) کا مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات:

حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ تعالی نے ۱۴۰۲ھ، شوال کے پہلے ہفتہ میں (مطابق ۲۷، جولائی تا ۳ اگست ۱۹۸۲ء) الجزائر کے تاریخی شہر "تلمسان" میں منعقد ہونے والی "سولویں فکر اسلامی کانفرس" میں پیش کرنے کے لئے جو مقالہ لکھا تھا، اس میں انہوں نے دین کے مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات، خدوخال کے حوالے سے گفتگو کی تھی، جو نہایت قیمتی تجزیہ پر مشتمل تھا، یہ مقالہ بعد میں ان کی کتاب "العقیدۃ والعبادۃ والسلوک" کا حصہ بنا، جس کا اردو ترجمہ "دستور حیات" کے نام سے حضرت مولانا سید سلمان صاحب ندوی مدظلہ العالی کے قلم سے لکھنو اور کراچی سے شائع ہوتا رہا، اسی مقالہ میں مذکور موضوعات کو نئے عنوانات لگا کر "دستور حیات" سے ایک اقتباس شامل کیا ہے، جو خصوصیات ہی سے متعلق ہے، یہ تلخیص کسی ترمیم کے بغیر ترجمان کی زبان میں پیش کی جارہی ہے (بریکٹ بھی تقریبا ترجمہ ہی سے ماخوذ ہیں) ؛ تاکہ ان لوگوں کے فکر وفلسفہ کا بروقت جائزہ لینے میں مدد فراہم کی جاسکے جو اس وقت اتحاد امت، ضروریات زمانہ، تہذیبوں کا تصادم، گلوبل ویلج، مغرب سے یا ان کے ہم وطنی، مشرقی خوشہ چینوں سے استفادہ، ان سے دین وشریعت کے لئے تصدیق وسرٹیفکیٹ لینے، داد ودہش پانے اور ساز باز کر لینے جیسے مقاصد وعنوانات کے تحت مختلف شکلوں اور صورتوں میں جابجا نمودار ہوتے نظر آتے ہیں۔

دین پہنچانے والوں کا حقیقی تعارف:

اس کائنات میں ہر زندہ اور متحرک شی کا ایک خاص مزاج، کچھ نمایاں خصوصیات، اور ابھرے ہوئے خط وخال ہوتے ہیں، جن سے اس کی "شخصیت" کی تشکیل اور اس کا تعین ہوتا ہے، اور وہ اس کی صفات ممیزہ قرار پاتی ہیں، اس میں افراد، جماعتیں، ملتیں اور قومیں، مذاہب اور فلسفے یکساں طور پر شریک ہیں، وہ سب اپنی کچھ امتیازی خصوصیات اور نمایاں علامات رکھتے ہیں... سب سے پہلے ہمیں اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہ دین ہم تک حکیموں اور دانش وروں، ماہرینِ قانون، علمائے اخلاق ونفسیات، کشورکشا اور قانون ساز، بانیانِ سلطنت، خیالی گھوڑے دوڑانے والے فلاسفہ اور طالع آزما سیاسی رہنماؤں اور ملکوں اور قوموں کے قائدین کے ذریعہ نہیں پہونچا، یہ دین ہم تک ان انبیائے کرام کے ذریعہ پہونچا ہے جن کے پاس خدائے تعالی کی وحی آتی تھی، اور جن کا سلسلہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ختم ہو چکا ہے۔

عقیدہ کی درستگی وپختگی کو بنیادی حیثیت کے طور پر مدنظر رکھنا:

اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار "عقیدہ" پر زور اور اصرار، اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل

کر لینے کی تاکید ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیائے کرام ایک معین عقیدے کی (جو ان کو وحی کے ذریعہ ملا تھا) دعوت دیتے اور اس کا مطالبہ کرتے رہے، اور اس کے مقابلہ میں کسی مفاہمت، یا دست بردار پر تیار نہ ہوئے، ان کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی اور اعلیٰ سے اعلیٰ انسانی کردار کا حامل، نیکی و صلاح، سلامت روی اور معقولیت کا زندہ پیکر اور مثالی مجسمہ خواہ اس سے کسی بہتر حکومت کا قیام، کسی صالح معاشرہ کا وجود اور کسی مفید انقلاب کا ظہور رہا ہو، اس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا جب تک وہ اس عقیدہ کا ماننے والا نہ ہو جس کو وہ لے کر آئے، اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔

جب تک اس کی یہ ساری کوششیں اور کاوشیں صرف اس عقیدہ کی بنیاد پر نہ ہوں، یہی وہ حد فاصل اور واضح و روشن خط ہے، جو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت اور قومی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں، انقلابیوں اور ہر اس شخص کے درمیان کھینچ دیا گیا ہے، جس کا سرچشمہ فکر و نظر انبیائے کرام کی تعلیمات اور سیرتوں کے بجائے کوئی اور ہو۔

موجودہ دور کے بگڑے ہوئے حالات سے دل برداشتہ بہت سے لوگوں کے اندر یہ مزاج پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ہر اس شخص کے جو انقلاب کا نعرہ لگائے یا کسی بڑی طاقت کو چیلنج کرے ہر بگاڑ، اور افکار و نظریات کی ہر کجی اور انحراف کو معاف کر دیتے ہیں، اور عقیدہ کے مسئلہ سے بالکل صرف نظر کر لیتے ہیں؛ بلکہ الٹے ان لوگوں کو ہدف ملامت بنا لیتے ہیں اور کبھی باطل طاقتوں سے ساز باز کر لینے کا الزام بھی لگاتے ہیں جو اس موقعہ پر عقیدہ کی بحث کو اٹھائیں، اور اس شخص کے عقائد کے بارے میں کوئی سوال کریں؛ یہ طرز فکر اور طرز عمل صحیح دینی مزاج اور نبوی طریق سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

رضائے الٰہی کو مقصود و مطلوب کے طور پر پیش نظر رکھنا:

دوسری بات یہ کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی (جن میں سرفہرست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے) دعوت و تبلیغ اور جہد و جہاد کا حقیقی محرک اور سبب محض خدائے تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی طلب ہوتی ہے، یہ ایک ایسی تیز تلوار ہے، جو اس مقصد اعلیٰ کے علاوہ ہر مقصد کو کاٹتی اور نیست و نابود کر دیتی ہے، پھر نہ متاع دنیا کی طلب رہتی ہے، اور نہ ملک و دولت، اور سلطنت و ریاست کی چاہت، نہ سربلندی اور عزت کی خواہش، نہ غلبہ و اقتدار کی ہوس، نہ مال و منال اور عیش و تنعم کی تمنا، نہ غضب و انتقام کا جذبہ، نہ جاہلی حمیت کا جوش، ان میں سے کوئی چیز بھی ان کو جد و جہد اور جہاد پر نہیں ابھارتی۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قوت و طاقت جس کے ذریعہ مسلمان احکام خداوندی کا نفاذ کر سکتا ہے، اور دعوت کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو ہٹا سکتا ہے، اور جس کے ذریعہ زمین میں فساد اور ظلم اور باطل کے غلبہ کی آگ بجھا سکتا ہے، مثالی اسلامی زندگی، اور شریف و متدین ایمانی معاشرہ کے لئے سازگار ماحول تیار کر سکتا ہے،

حقیقت یہی ہے کہ انبیاء کرام پوری انسانیت کے لئے اسوۂ کامل، اعلیٰ قابل تقلید نمونہ اور اخلاق، ذوق

در جحان، ردّ و قبول اور وصل و فصل کے بارے میں سب سے مکمل اور آخری معیار ہوتے ہیں، وہ مورد عنایات الٰہی اور مرکزِ الطاف و تجلیات ہوتے ہیں، ان کے اخلاق و عادات، اور ان کی زندگی کا طور و طریق سب خدا کی نظر میں محبوب ہیں، زندگی کے طریقوں میں ان کا طریق حیات، انسانوں اور جماعتوں کے اخلاق میں ان کے اخلاق، اور لوگوں کی گوناگوں عادتوں میں ان کی عادتیں؛ اللہ کے نزدیک پسندیدہ بن جاتی ہیں۔

انبیاء جس راستہ کو اختیار کرتے ہیں، وہ راستہ خدا کے یہاں محبوب بن جاتا ہے، اور اس کو دوسرے راستوں پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، صرف اس وجہ سے کہ انبیاء کے قدم اس راستہ پر پڑے ہیں، ان کی تمام پسندیدہ چیزوں اور شعائر اور ان سے نسبت رکھنے والی اشیاء اور اعمال سے اللہ کی محبت اور پسندیدگی متعلق ہو جاتی ہے، ان کا اختیار کرنا، اور ان کے اخلاق کی ایک جھلک پیدا کرنا، اللہ کی محبت و رضا سے سرفراز ہونے کا قریب ترین اور سہل ترین راستہ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ دوست کا دوست دوست اور دشمن کا دوست دشمن سمجھا جاتا ہے...اسکے برعکس جو ظلم پر کمر باندھے ہوئے اور کفر کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں، ان کی طرف دل کا میلان، ان کے طریق حیات کی ترجیح اور ان سے صوری و معنوی مشابہت، اللہ کی غیرت کو حرکت میں لانے والی، اور اللہ سے بندے کو دور کرنے والی بتائی گئی ہے۔

ان پیغمبرانہ مخصوص عادات واطوار کا نام شریعت کی زبان اور اصطلاح میں ''خصال فطرت'' اور ''سنن الھدیٰ'' ہے، جس کی شریعت تعلیم و ترغیب دیتی ہے، ان اخلاق و عادات کا اختیار کرنا لوگوں کو انبیاء کے رنگ میں رنگ دیتا ہے، اور یہ وہ رنگ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''(کہدو کہ ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کرلیا) اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہوسکتا ہے، اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔'' (سورۂ بقرۃ، ۱۲۸)

ایک عادت کی دوسری عادت، ایک اخلاق کے دوسرے اخلاق، ایک طور طریق کے دوسرے طور و طریق پر دین و شریعت میں ترجیح کا یہی راز ہے، اسی وجہ سے اس کو شریعتِ اسلامی اہلِ ایمان کا شعار، فطرت کے تقاضہ کی تکمیل اور اس کے خلاف طریقوں کو فطرتِ سلیم سے انحراف، اور اہلِ جاہلیت کا شعار قرار دیتی ہے، اور ان دونوں طریقوں اور راستوں میں (باوجود اس کے کہ اس طرف بھی عقل و خرد رکھنے والے متمدن انسان ہیں، اور اس طرف بھی) محض اس بات کا فرق ہے کہ ایک خدا کے پیغمبروں اور اس کے محبوب بندوں کا اختیار کیا ہوا ہے، دوسرا ان لوگوں اور قوموں کا جن کے پاس ہدایت کی روشنی اور آسمانی تعلیمات نہیں ہیں، اس اصول کے تحت کھانے پینے، کاموں میں دائیں بائیں ہاتھ کا فرق، لباس و زینت، رہنے سہنے اور تمدن کے بہت سے اصول آجاتے ہیں، اور یہ سنت نبوی اور فقہ اسلامی کا ایک وسیع باب ہے۔

محبت و عشقِ رسول کی تعلیم:

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا تعلق ہے، وہاں اس پہلو پر اور زیادہ زور دینے اور اس

کا زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، آپ کی ذات کے ساتھ صرف ضابطہ اور قانون کا تعلق کافی نہیں، روحانی اور جذباتی تعلق اور ایسی گہری اور دائمی محبت مطلوب ہے، جو جان و مال، اہل وعیال کی محبت پر فوقیت لے جائے۔

اس سلسلہ میں ان تمام مخالف اسباب ومحرکات سے محفوظ ومحتاط رہنے کی ضرورت ہے، جو اس محبت کے سوتوں کو خشک یا اس کو کمزور کرتے ہیں، جذبات واحساسات محبت میں افسردگی، سنت پر عمل کرنے کے جذبہ میں کمزوری اور آپ کو ''دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل'' سمجھنے میں تردد، اور سیرت وحدیث کے مطالعہ سے روگردانی اور بے توجہی کا سبب بنتے ہیں، سورۂ احزاب، سورۂ حجرات اور سورۂ فتح وغیرہ قرآنی سورتوں کے غائر مطالعہ اور تشہد ونماز جنازہ میں درود وصلوۃ کی شمولیت پر غور وفکر، قرآن میں درود کی ترغیب اور درود کی فضیلت میں بکثرت وارد ہونے والی احادیث کا راز سمجھنے کا یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک مسلمان سے اس سے کچھ زیادہ مطلوب ہے، جس کو صرف قانونی اور ضابطہ کا تعلق کہا جاتا ہے، اور جو محض ظاہری اطاعت سے پورا ہوجاتا ہے؛ بلکہ وہ پاس وادب، محبت اور تشکر وامتنان کا جذبہ بھی مطلوب ہے، جس کے سرچشمے دل کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہوں، اور جو رگ وریشہ میں سرایت کرگیا ہو، اسی پُر محبت احترام اور احترام آمیز محبت کو قرآن نے ''تعزیر'' و''توقیر'' کے لفظ سے ادا کیا ہے۔

اس عشق رسول سے ان علمائے راسخین، مصلحین ومجددین، زعماء وقائدین کو بہرۂ وافر ملا، جنہوں نے دین کی حقیقی روح کو اپنے اندر جذب کرلیا تھا، اور جن کے مقدر میں دین وملت کے احیاء وتجدید کا اہم کارنامہ انجام دینا تھا۔

اس پاک محبت کے بغیر جو شرعی احکام وآداب کے تابع واسوۂ صحابہ کے اتباع وتقلید کے ساتھ ہو؛ اسوۂ رسول کی کامل پیروی واتباع، جادۂ شریعت پر استواری، نفس کا دیانت دارانہ محاسبہ، اور ''عسر ویسر'' اور طبیعت کی آمادگی وگرانی (منشط ومکرہ) میں خدا اور رسول کی فرمانبرداری ممکن نہیں؛ یہی (کثیر النوع) نفسیاتی امراض کا علاج، تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق کا مؤثر ذریعہ ہے، محبت کی ایک لہر خس وخاشاک کو بہالے جاتی اور رگ وریشہ اور جسم وجان میں اس طرح دوڑ جاتی، اور جذب ہوجاتی ہے۔ ع شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم

مسلمان جو کبھی خدا اور رسول کے عشق کی بدولت شعلہ جوالہ تھے، اس کے بغیر چوب خشک اور سرد خاکستر بنے ہوئے ہیں۔

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں، خاک کا ڈھیر ہے

دین وشریعت کی عالمگیر یکسانیت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ائمہ وفقہائے اسلام اور اپنے اپنے وقت کے مجددین ومصلحین اور علمائے ربانی نے ہمیشہ اپنے اپنے زمانہ کی بدعات کی سختی سے مخالفت کی، اور اسلام کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول ورواج پذیر ہونے سے روکنے کی جان توڑ کوشش کی، ان بدعات میں عوام اور خوش عقیدہ لوگوں کے

لئے جومقناطیسی کشش ہر زمانہ میں رہی ہے، اوران سے پیشہ ور، دنیا دار مذہبی گروہوں اورافراد کے جوذاتی مفادات وابستہ رہے ہیں، جن کی تصویر اللہ تعالی نے قرآن مجید کی اس معجزانہ آیت میں کھینچی ہے۔

''اے ایمان والو! اکثر احبار ورہبان لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں''۔(سورۃ التوبہ،۳۴)

اس کی بناپر ان کو سخت مخالفتوں اوراذیتوں کا سامنا کرنا پڑا؛ لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی، اوراس کو اپنے وقت کا جہاد اورشریعت کی حفاظت کا اوردین کو تحریف سے بچانے کا مقدس کام سمجھا، ان مخالفین بدعت اورحاملینِ لواءِ سنت کو اپنے زمانہ کے عوام، یا خواص کالعوام سے ''جامد''، ''روایت پرست''، ''مذہب دشمن'' وغیرہ کے خطابات ملے؛ لیکن انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی، ان کے اس لسانی اور قلمی جہاد، احقاقِ حق اورابطالِ باطل سے بہت سی بدعات کا اس طرح خاتمہ ہوا کہ ان کا معاشرہ وتمدن کی بعض تاریخوں میں ذکر رہ گیا ہے، اور جو باقی ہیں ان کے خلاف علمائے حقانی اب بھی صف آراء ہیں۔(اقتباس دہم از دستور حیات، ص:۸۶،تا ص:۸۸)

دین کیلئے موسم وماحول کی اہمیت:

آخری بات یہ ہے کہ اسلام کو ایک معاون فضاء؛ بلکہ زیادہ واضح اورمحتاط الفاظ میں ایک مناسب موسم اورمتعین درجہ حرارت وبرودت کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ ایک زندہ انسانی دین ہے، وہ کوئی عقلی اورنظریاتی فلسفہ نہیں، جوصرف دماغ کے کسی خانہ یا کتب خانہ کے کسی گوشہ میں موجود ومحفوظ ہو، وہ بیک وقت عقیدہ وعمل، سیرت واخلاق، جذبات واحساسات اورذوق کے مجموعہ کا نام ہے، وہ انسان کو نئے سانچہ میں ڈھالتا، اورزندگی کو نئے رنگ میں رنگتا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالی اسلام کو''صبغۃ اللہ'' کی صفت سے یاد فرماتا ہے، صبغہ ایک رنگ، امتیازی شان اورنمایاں چھاپ ہے، اسلام دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ حساس واقع ہوا ہے، اس کے متعین ومعروف حدود ہیں، جن سے کوئی مسلمان تجاوز نہیں کرسکتا، کسی دوسرے مذہب میں''ارتداد'' کا نہ وہ واضح مفہوم پایا جاتا ہے، نہ اس کی وہ شناعت اورقباحت ہے، جو اسلامی شریعت اوراسلامی تصور میں پائی جاتی ہے۔

دینی حرارت کا ماحول قائم کرنے کا راستہ وطریقہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اورارشادات وہدایات آپ کا اسوۂ مبارکہ وسنت (عقائد، وعبادات سے لے کر اخلاق ومعاملات، اوراحساسات وجذبات تک) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں، جس میں دین کا پودہ سرسبز اور بارآور ہوتا ہے، کیونکہ دین زندگی کے تمام شرائط وصفات (نمو وحرکت، اہتزاز وفرحت، نفرت وکراہیت، احساس برتری وفخر) کا مجموعہ ہے، اسلئے وہ پیغمبر کے جذبات واحساسات اوراسکی

زندگی کے واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اور اسکا بہترین مجموعہ احادیث صحیحہ، اور محفوظ و مدون سنت نبوی ہے، دین ایک مثالی اور معیاری ماحول کی نظیر کے بغیر زندہ وشاداب نہیں رہ سکتا، اور یہ ماحول حدیث نبوی کے ذریعہ محفوظ ہے، اسلئے اللہ تعالی نے قرآن حکیم کی حفاظت کیساتھ ساتھ حامل قرآن کے صحیفہ حیات کی بھی حفاظت فرمائی، اسی کی بدولت حیات طیبہ کی فیض رسانی اور حیات بخشی کا امتداد وتسلسل اس وقت تک باقی ہے، اسی کے نتیجہ میں علماء امت ''معروف'' و ''منکر''، ''سنت'' و ''بدعت'' اور ''اسلام'' و ''جاہلیت'' میں ہر دور میں فرق کرنے کے قابل ہوئے، اور ان کے پاس وہ بیرومیٹر (ہوا کا دباؤ ناپنے کا آلہ) رہا، جس سے وہ اپنے دور کے مسلمان معاشرہ کے اصل اسلامی عقیدہ وعمل سے حد وانحراف کی پیمائش کرتے رہے، وہ امت کے دینی محاسبہ کا عمل جاری اور اصل دین کی دعوت کے فریضہ کو ہر دور میں قائم اور باقی رکھ سکے۔

سنت وحدیث کے یہ مجموعے (جن میں صحاح ستہ ممتاز ومعروف ہیں) اور ان کے درس و تدریس، نشر واشاعت کی مشغولیت اور مواقع ہمیشہ اصلاح وتجدید اور امت اسلامیہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں، انہیں کی مدد سے اصلاح کا بیڑہ اٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف دوروں میں شرک وبدعت اور رسوم جاہلیت کی تردید ومخالفت اور سنت کی اشاعت وترویج کا جھنڈا بلند کیا، اسی ذخیرہ نے علمائے دین اور اہل شعور کو شر وفساد اور بدعات وضلالت کی طاقتوں اور تحریکوں سے پنجہ آزمائی کرنے، اور ان کے مقابلہ میں کفن بردوش ہو کر صف آراء ہو جانے پر آمادہ کیا، اور تاریخ کی شہادت ہے کہ اس امت میں اصلاح وتجدید کی تاریخ علم حدیث سے واقفیت واشتغال اور سنت کی محبت وحمایت سے وابستہ ومربوط ہے، جب بھی حدیث وسنت کی کتابوں سے علمی حلقوں کے تعلق و واقفیت میں کمی آئی، اور دوسرے علوم وفنون میں ان کا انہماک بڑھا، مسلم معاشرہ اہل اصلاح واہل کمال کی موجودگی میں نئی نئی بدعات، جاہلی وعجمی رسم ورواج، غیر مسلموں کے اختلاط، اور مذاہب غیر کے اثرات کا شکار ہو گیا، اور کبھی کبھی یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا، کہ وہ جاہلی معاشرہ کا دوسرا ایڈیشن اور اس کا مکمل عکس نہ بن جائے۔

دین کے خاص مزاج وخصوصیات سے واقفیت کی اہمیت وضرورت:

یہ ہے دین کا وہ خاص مزاج، اور اس کے امتیازی صفات اور نمایاں خط وخال جن سے دین کی اُس شخصیت کی نمود اور بقاء ہے، جو اس کو دوسرے مذاہب اور فلسفوں سے ممتاز کرتی ہے، ایک مسلمان کو اس سے واقف بھی ہونا چاہئے، اور اس کے بارے میں اس کے اندر شدید غیرت وحمیت بھی پائی جانی چاہئے، اسی کے ذریعہ ہم ہر دور میں حق وباطل کی آویزش نیز آمیزش میں (جو بعض اوقات آویزش سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے) دین صحیح کی صراط مستقیم پر قائم بھی رہ سکتے ہیں، اور اس کی خدمت وحفاظت کی سعادت وتوفیق بھی حاصل کرسکتے ہیں۔

جناب محمد عدنان زیب

تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کی دارالعلوم آمد اور خطاب

۲۳/اپریل ۲۰۱۱ء کو تحریک انصاف کے سربراہ جناب عمران خان صاحب اکوڑہ خٹک دارالعلوم حقانیہ میں جمعیۃ علماء اسلام کے امیر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کیلئے تشریف لائے اور ان سے ملک کی موجودہ ابتر حالات پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔ دونوں رہنماؤں نے موجودہ حالات میں باہمی مشاورت اور تعاون کی شدید ضرورت پر اتفاق کیا۔ ملاقات کے بعد عمران خان نے جامعہ حقانیہ کے بانی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مرحوم کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ بعد میں انہوں نے مولانا مدظلہ کی دعوت پر دارالعلوم کے وسیع ہال ایوان شریعت میں ہزاروں طلبہ، علماء اور علاقے کے عوام سے خطاب فرمایا۔ ــــــ (ادارہ)

مولانا حامد الحق حقانی صاحب نے سب سے پہلے ابتدائی کلمات بیان کئے: **نحمدو ونصلی علی رسوله الکریم .اذا جاء نصر الله والفتح** سب سے پہلے تو میں جناب عمران خان صاحب اور تمام شرکائے مجلس کا شکر گزار ہوں کہ وہ یہاں جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ دارالعلوم کے نوجوان طلباء اپنے درمیان عمران خان صاحب کو پا کر انتہائی مسرت محسوس کررہے ہیں۔ میں جناب عمران خان صاحب کو قائد جمعیت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ اور دارالعلوم حقانیہ کے منتظمین اور علمائے کرام وطلبہ کرام و جمعیت علماء اسلام اکوڑہ خٹک کے ورکروں اور نوشہرہ کے ورکروں کی طرف سے خوش آمدید کہتا ہوں کہ آج وہ اس سرزمین میں تشریف لائے ہیں جس کی عظیم تاریخ ہے۔ سید احمد شہید اور سید بریلوی شہید، شہداء بالاکوٹ کے ساتھ اس کی نسبت ملتی ہے جو ہندوستان سے یہاں جہاد کی غرض سے تشریف لائے اور پشاور میں اسلامی سلطنت قائم ہونے کے بعد وہ بالاکوٹ سے ہوتے ہوئے یہاں تک پہونچے اور اکوڑہ خٹک کے ساتھ جو علاقہ شیدو ہے یہ اصل میں لفظ شہید سے نکلا ہے، یہ شہداء کی سرزمین ہے، جہاں سکھوں کے ساتھ بھی جہاد کیا گیا ہے۔ میں آج جناب عمران خان صاحب کو صوبہ خیبر پختونخوا اور اکوڑہ خٹک کی عظیم سرزمین پر خوش آمدید کہتا ہوں۔ اکوڑہ خٹک ایک تاریخی شہر ہے، خوشحال خان خٹک کا تعلق بھی یہیں سے تھا۔ اس کے علاوہ عظیم شہداء و علماء کا مسکن بھی رہا ہے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ جو امیر شریعت تھے جو ضلع نوشہرہ سے قومی اسمبلی کے پارلیمنٹ کے رکن تھے اور قومی اسمبلی میں اسلام کی تعریف پیش کی اور قائد جمعیت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے سینٹ میں شریعت بل پیش کیا اور پوری جدوجہد کے بعد انہوں نے شریعت بل کو پاس کروایا۔ آج اسی جدوجہد کے نتائج ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اور ملک کو امریکی غلامی سے نجات دلانے اور نفاذ اسلام اور انصاف کو عام کرنے کے لئے جناب عمران خان صاحب میدان عمل میں برسرپیکار ہیں۔ آج ملک میں جو ڈرون حملے ہو رہے ہیں اور جس سے ہمارے کئی بہن بھائی اور ہماری مائیں، بہنیں یتیم اور بیوائیں ہوتی جارہی ہیں اور وزیرستان اور قبائل

کی سرزمین جل رہی ہے اور اس سے پاکستان تباہ ہو رہا ہے اور صوبہ خیبر پختون خوا کی معیشت مکمل طور پر تباہ ہوگئی ہے۔ آج عمران خان نے جس عزم کا ارادہ کیا ہے اور جو مشعل یہ اسلام آباد سے اٹھا کر پورے ملک کی تحریک کے لئے نکلے ہیں ہم ان کو خوش آمدید کہتے ہیں اور ہم ان کے شانہ بشانہ ہیں' آپ نے جو ڈرون حملوں کے خلاف پشاور میں جس ریلی کا فیصلہ کیا ہے اس کو بھی خوش آئند سمجھتے ہیں اور یہ ملکی اور صوبے کی تاریخ میں ان شاء اللہ ایک نئی تاریخ رقم کرے گا۔ اب میں قائد جمعیت علماء اسلام اور مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ مہمانوں کی خدمت میں خطبہ استقبالیہ پیش کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ میرے انتہائی معزز مہمانان گرامی! عزیز طلباء اور معزز سامعین!

ہم دارالعلوم حقانیہ میں اس باشعور اور دلیر قیادت جس پر قوم سمیت دنیا بھر کی نظریں لگی ہوئی ہیں' خوش آمدید کہتے ہیں۔ میری کافی عرصہ سے یہ خواہش تھی اور میں نے کئی دفعہ عمران خان صاحب کی پارٹی کے متعلقین سے ذکر بھی کیا کہ یہاں اکوڑہ خٹک میں ایک بہت بڑا تعلیمی مرکز ہے جو آپ کے خیالات کا حقیقی ترجمان ہے اور دنیا کے گوشے گوشے سے یہاں طلباء جمع ہیں' یہ ایک خدائی ٹیم ہے جو سارے ملک اور اطراف میں امن سلامتی اور اسلامی تعلیمات کو پہنچا رہے ہیں۔ یوں تو میں عمران خان صاحب کو کافی عرصہ سے جانتا تھا پھر ان کے خیالات وافکار میں مجھے اچانک ایک نئی دنیا کا انکشاف نظر آیا۔ جنگ میں کچھ کالم میں نے ان کے پڑھے تو میں حیران رہ گیا کہ یہ تو ہمارے بہت بڑے داعی اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے خیالات سے ملتے جلتے ہیں۔ مولانا علی میاںؒ تو اسلام کے مفکر اور مدبر تھے' میں ششدر رہ گیا کہ یہ خیالات تو ہمارے دل کی مکمل ترجمانی کرتے ہیں' اور مغرب کے بارے میں جو ہماری رائے ہے عمران صاحب بھی مغرب کے چہرے کا حقیقی پہچان گئے ہیں۔ الحمدللہ ان مضامین کے بعد مجھے جناب عمران خان صاحب سے محبت پیدا ہوئی اور پھر ان کے خیالات نہیں بدلے' نکھرتے گئے اور سامنے آتے گئے۔ اس نازک وقت میں پوری مسلم امہ کے خلاف عالم کفر یلغار کر چکی ہے' ہمارے حکمران سب ان کے ساتھ ہیں' ہمارے سیاست دان اور سیاسی پارٹیاں سب امریکہ کے ٹٹو بن گئے ہیں اور جہاد کے سب خلاف ہیں اور جہاد کو سب دہشتگردی کہتے ہیں۔ افغانستان میں کارستانیاں' عراق میں اس کی تباہی و بربادی' فلسطین میں اس کی یہود کی پشت پناہی سب اسی امریکہ کے طفیل ہیں۔ میرے دوستو! اس وقت ہمارا ملک مکمل طور پر غیروں کا غلام ہے اور کوئی پارٹی سیاست دانوں کی اس کے خلاف اٹھ نہیں کھڑی ہوئی۔ مدارس کو بدنام کیا جارہا ہے' اور مذہبی افراد' علماء وطلباء کو بھی گالی بنا دیا گیا ہے۔ جبکہ مدارس کے طلباء اسلام کی حمیت اور غلبہ سے سرشار ہیں' وہ کسی تخریب کاری یا دہشت گردی پر یقین نہیں رکھتے۔ افغانوں نے اسی حمیت اور اسی جذبے کے تحت پہلے روس کو شکست دی اور طالبان کے ذریعے اللہ نے پورے عالم کفر کو افغانستان میں جمع کیا اور اب انہیں شکست سے دوچار کر رہا ہے۔ افغانستان کی وادی عالم کفر کے لئے جہنم بن گئی ہے۔ امریکہ اور نیٹو وہاں ذلیل وخوار ہو رہے ہیں' ان کا تکبر ٹوٹ رہا ہے' مسلمانوں میں غیرت جاگ رہی ہے' پورے عالم اسلام میں

امریکہ کے خلاف نفرت کا لاوا اُبل رہا ہے' لیکن پاکستان کے حالات دن بدن حکمرانوں کی پالیسیوں کے باعث مزید خراب ہورہے ہیں۔ایسے حالات میں میں چاہتا ہوں کہ خود عمران خان صاحب سے ایک تفصیلی میٹنگ کروں گا۔ان شاء اللہ اور سارے حالات پر ایک متفقہ لائحہ عمل اختیار کریں گے اور ان شاء اللہ ہم اس مقام پر متفق ہیں اور جمعیۃ علماء اسلام شروع دن ہی سے ملک وملت کو امریکہ سے نجات دلانے کے لئے تنہا جدوجہد کررہی ہے۔ہم کئی اہم اہداف پر تحریک انصاف اور عمران خان کے شانہ بشانہ ہیں۔کل کے عظیم تاریخی دھرنے میں بھی جمعیۃ علماء اسلام بھرپور شرکت کرے گی' میری دعائیں اور نیک تمنائیں عمران خان کے ساتھ اس سفر میں ساتھ ساتھ ہوں گی۔ وما علینا الا البلاغ

جناب عمران خان صاحب کا خطاب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ مجھے یہاں دارالعلوم حقانیہ کی دعوت دینے کا بہت بہت شکریہ۔ میں مولانا سمیع الحق صاحب کا دلی مشکور ہوں کہ انہوں نے اتنے بڑے علماء طلباء کے اجتماع سے ملاقات کرنے کا موقع فراہم کیا۔میں یہاں پہ ایک بہت بڑا مقصد لے کر حاضر ہوا ہوں اور وہ مقصد ملک کو امریکی غلامی سے آزاد کرانا ہے۔پاکستان کی سرزمین مسلسل ڈرون حملوں سے پامال کی جارہی ہے' بے گناہ قبائل جو ہمارے معصوم بھائی ہیں انہیں آئے روز شہید کیا جارہا ہے اور ہمارے یہ غدار اور نااہل حکمران ان کا بھرپور ساتھ دے رہے ہیں۔یہ لوگ منافق ہیں۔یاد رکھئے قرآن میں منافق کا درجہ کافر سے زیادہ ہے۔اور یہ منافق اندر سے اسلام کو ختم کرتے ہیں۔میر صادق اور میر جعفر کون تھے؟ انہوں نے ٹیپو سلطان کو شہید کیا اور اسلامی تاریخ کو مسخ کیا۔ہمارے حکمرانوں اور میر صادق اور میر جعفر میں کیا فرق ہے؟

انہوں نے بھی ذاتی مفادات کیلئے ملک کو غلام بنایا ہوا ہے۔میں امریکیوں اور مغرب کو اندر سے جانتا ہوں' ان لوگوں کو حقیقت حال کا علم نہیں ہے۔امریکی حکومت تو قبائلی مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیتے ہیں اور ہمارے حکمران بھی نام نہاد دہشت گردی کے خلاف پارٹنر بنے ہوئے ہیں۔اگر امریکہ کے لوگوں اور برطانیہ کے لوگوں کو حقیت معلوم ہوجائے کہ یہ ڈرون حملوں میں بے گناہ لوگ مارے جارہے ہیں تو یقین کریں پاکستان سے زیادہ مظاہرے ان ملکوں میں ہوں' ان کو تو پتہ ہی نہیں ہے کہ وہاں کیا ہورہا ہے۔صرف گوروں کی پرستش اور ان کی خوشی کے لئے اتنے لوگوں کا خون بہایا جارہا ہے' ہمارے وزیراعظم اور صدر نے کھل کر امریکہ کو اجازت دی ہے ڈرون حملوں کی۔اگر ہم نے اپنے لوگوں پر قبائلی لوگوں پر جو ظلم کی انتہا کی ہے یہ وہ قبائلی لوگ ہیں جنہوں نے ۱۹۴۸ء میں اپنی جانوں کی قربانی دے کے کشمیر کو آزاد کرایا ورنہ آج آزاد کشمیر آزاد نہ ہوتا ان کے اوپر امریکہ کے کہنے پر ملٹری آپریشن چل رہے ہیں' ڈرون حملے کی اجازت دیتے تھے' جب تک پاکستانی قوم اپنے حقوق کی دفاع نہیں کرے گی ان حکمرانوں سے کوئی امید نہ رکھیں۔ہمارا پشاور کا دھرنا امریکی مظالم کے خلاف ہے۔اس ظلم کے خلاف کل ہم اعلان جنگ کریں گے اور یہ جنگ کا پہلا قدم ہے۔ہمیں آپ کا تعاون چاہیے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ اس سیاسی جدوجہد میں شامل ہوکر مکمل ساتھ دیں۔پورے پاکستان نے یہ جنگ لڑنی ہے۔ آخر میں میں مولانا سمیع الحق صاحب آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

علامہ عبدالرشید عراقی

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک کا اشاریہ

ایک عظیم علمی، ادبی، تاریخی اور تحقیقی کارنامہ

علامہ عبدالرشید عراقی ۶۸ سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے سینکڑوں مضامین ملک و بیرون ملک کے جرائد میں شائع ہوتے رہے اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ ماہنامہ "الحق" کے اشاریہ کو اک عظیم اور تحقیقی کارنامہ قرار دیا۔ ذیل میں ان کی وقیع تحریر بطور تبصرہ و تعارف نذر قارئین ہے...... (ادارہ)

دینی اور مذہبی رسائل میں ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک کا اہم مقام ہے۔ یہ رسالہ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں مولانا سمیع الحق حفظہ اللہ نے اپنے والد محترم شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مرحوم و مغفور کی سرپرستی میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے جاری کیا۔ ماہنامہ "الحق" اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب بھی جاری ہے، اور دین واسلام کی نشرواشاعت، کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ کی ترقی و ترویج اور اس کی نصرت وحمایت اور مدافعت اور اس کے ساتھ شرک و بدعت اور محدثات کی تردید و توبیخ میں سرگرم عمل ہے۔___ ماہنامہ الحق میں صرف علمی و تحقیقی اور علمی و خشک مضامین شائع نہیں ہوتے بلکہ اس میں ہر ذوق و وجدان کی تسکین کے لیے ادبی و تاریخی مضامین بھی شائع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے اداریہ میں ملک کی موجودہ صورت حال پر بھی بڑے مثبت انداز میں تبصرہ و تنقید بھی ہوتی ہے۔ مولانا سمیع الحق حفظہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "الحق کے ۴۵ سالہ مجلات ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں جس میں سینکڑوں موضوعات اور عناوین پر محیط مقالات و مضامین ہیں جو کہ یقیناً ایک عظیم دائرۃ المعارف اور انسائیکلوپیڈیا ہے۔"

مولانا سمیع الحق حفظہ اللہ "الحق" کے مدیر اعلیٰ ہیں اور آپ ابتداء ہی سے اس کے مدیر اعلیٰ چلے آرہے ہیں۔ اس کے پہلے مدیر معاون مولانا عبدالقیوم حقانی حفظہ اللہ تھے۔ آج کل مولانا سمیع الحق کے صاحبزادے، مولانا حافظ راشد الحق سمیع اس کے مدیر معاون ہیں جو اپنی ذمہ داری بڑے احسن طریقے سے انجام دے رہے ہیں۔ مولانا عبدالقیوم حقانی حفظہ اللہ کے بارے میں مولانا سمیع الحق فرماتے ہیں کہ:

"مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے ماہنامہ الحق کی ادارت کی ذمہ داریاں بڑی خوش اسلوبی اور نہایت کامیابی سے ادا کیں اور اپنی تمام صلاحیتیں اس کی ترقی کے لیے وقف کررکھی تھیں۔"

اکتوبر ۱۹۶۵ء میں جب ماہنامہ الحق کا اجراءعمل میں آیا تو برصغیر (پاک وہند) کے نامور علمائے کرام اور اہل قلم نے تحسینی پیغامات بھیجوائے۔ ان اکابرین میں مولانا قاری محمد طیب دارالعلوم دیوبند، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد عبداللہ درخواستی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا شمس

الحق افغانی، مولانا مفتی محمود، مولانا محمد منظور نعمانی (لکھنؤ) مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، رحمہم اللہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید، مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایڈیٹر ماہنامہ برہان دہلی، علامہ سید سلمان ندوی، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، حکیم محمد سعید، (ہمدرد کراچی) جناب محمد طفیل صاحب مدیر نقوش لاہور، مولانا کوثر نیازی اور مؤرخ اہلحدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ اور کئی دوسرے اصحاب شامل ہیں۔

اس اشاریہ کے آغاز میں شاہد حنیف صاحب جنہوں نے اشاریہ مرتب کیا ہے انہوں نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ اس میں ایک مصنف کے مقالات، تراجم، تبصرے بطور مرتب کے علاوہ اگر مصنف کی کسی کتاب پر تبصرہ ہوا ہے تو اس کا بھی ساتھ ہی ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ ایک مصنف کی تمام تخلیقات و نگارشات ایک ہی نظر میں سامنے آجائیں۔

یہ اشاریہ ماہنامہ الحق کے ۴۵ سال میں شائع ہونے والے ۴۸۸ شماروں کی ۳۳۵۶۴ صفحات میں ۱۵۰۰ مصنفین کے ۹۰۰۰ مقالات و نگارشات اور ۱۰۰۰ کے قریب کتابوں پر تبصروں کا ۳۲۵ موضوعات پر مشتمل ہے۔

<u>فہرست موضوعات :</u> (۱) قرآن وعلوم قرآن۔۱۳۔ (۲) حدیث وعلوم حدیث۔۷۔ (۳) ایمان وعقائد۔۴ (۴) فقہ واجتہاد۔۱۹۔ (۵) اجتہاد وعبادات۔۸۔ (۶) اسلام کا معاشری نظام۔۱۲۔ (۷) تعلیم وتعلم اورمدارس ۔۲۶۔ (۸) دعوت وتبلیغ اورتزکیۂ نفس۔۳۔ (۹) شعر و ادب اورلسانیات ۔۶۔ (۱۰) اسلام اورسیاسیات۔۷۔ (۱۱) اسلام اوراقتصادیات ۔۵۔ (۱۲) اسلام کانظام قضا۔۸۔ (۱۳) طب وسائنس۔۸۔ (۱۴) اسلام اورمغرب۔۷۔ (۱۵) عالم اسلام وعالم مغرب۔۴۔ (۱۶) فرق وادیان۔۹۵۔ (۱۷) سیَر وسوانح۔۲۔ (۱۸) تاریخ۔۷۔ (۱۹) جماعتیں، ادارے۔۱۲۔ (۲۰) صحافت اور ذرائع ابلاغ۔۱۲۔ (۱۲) متفرقات۔

مولانا عبدالقیوم حقانی حفظہ اللہ اس کے مدیر معاون رہے ہیں۔آپ سولہ (۱۶) سال تک ماہنامہ الحق کے مجلس ادارت میں شامل رہے اس مدت میں آپ نے مختلف موضوعات پر مقالات ومضامین بھی تحریر فرمائے۔اداریے بھی لکھے۔اور کتابوں پر تبصرے بھی لکھے۔ان سب کی مجموعی تعداد (۱۷) بنتی ہے۔

مولانا شاہد حنیف صاحب نے یہ اشاریہ مرتب کر کے ایک عظیم علمی خدمت انجام دی ہے۔مولانا سمیع الرحمٰن رکن مجلس التحقیق الاسلامی ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن لاہور نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔وہ بھی لائق ستائش ہیں کہ انہوں نے ایک عظیم علمی کام میں معاونت کی ہے۔___ مولانا راشد الحق سمیع حقانی بھی بڑے خوش نصیب اور سعادت مند فرزندِ ارجمند ہیں کہ اپنے عظیم والد کی نگرانی وسرپرستی اور ان کے زیرِ تربیت رہ کر ان کے حینِ حیات ایک عظیم تحقیقی اور تاریخی ارشایہ مرتب کرانے اور عمدہ ترین زیورِ طباعت سے آراستہ کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں ؎ مرداں چنیں مے کنند

یہ اشاریہ مولانا سمیع الحق صاحب نے اپنے اشاعتی ادارہ موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کر کے بڑی علمی خدمت انجام دی ہے۔صفحات کی تعداد ۴۹۸ ہے۔

جناب محمد عاصم حفیظ

امریکہ سفاکیت اور دو رنگی کا علمبردار

ایبٹ آباد آپریشن کے بعد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں سب سے زیادہ قربانیاں دینے والا ہمارا ملک عالمی کٹہرے میں ہے۔ امریکہ نواز اور چند ڈالروں کی خاطر ایجنٹ پر تیار بیٹھے حکمران بھی امریکی تنقید کی زد میں ہیں۔ ہمارے سابقہ اور موجودہ حکمرانوں نے دہشت گردی کے خلاف اس نام نہاد جنگ میں بہت سے ایسے افراد اور گروپس کہ جن کی پاکستان کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی، ان کے خلاف بھی امریکی آقاؤں کو خوش کرنے کیلئے بھرپور کارروائیاں کیں لیکن اس ساری ریاضت کے باوجود انکل سام غضبناک ہو چکا اور افغانستان کا غصہ پاکستان پر نکالنے کی باتیں اب مزید واضح طور پر کی جا رہی ہیں۔ امریکی دوستی کی خاطر عوامی خواہشات کا خون کرنے والے ہر حکمران کو امریکہ کی جانب سے آخر کار ایسے ہی رویے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ اس نام نہاد سپر پاور نے دشمنوں سے کہیں بڑھ کر اپنے دوستوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ امریکہ کی جانب سے مختلف ممالک کے حکمرانوں کے ساتھ گہری دوستی اور مفادات کے حصول کے بعد انہیں یکسر نظرانداز کر دینے کی کئی تاریخی مثالیں موجود ہیں۔ اگر آج امریکی توپوں کا رخ پاکستان کی جانب ہے تو جناب تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ جب امریکہ نے قریبی دوست ممالک اور حکمرانوں کو دھوکہ دیا اور انہیں نشان عبرت بنا کر رکھ دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ امریکہ کی دوستی اس کی دشمنی سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ امریکہ کے چہیتے حکمرانوں کی عوامی مقبولیت میں جیسے ہی ذرا سی بھی کمی ہوتی ہے یا پھر انہیں شدید عوامی تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو واشنگٹن میں بیٹھے پالیسی ساز کسی نئے چہرے کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔ امریکہ نے کبھی بھی اپنے دوست حکمران کی دور اقتدار کے آخری ایام میں مدد نہیں کی بلکہ ایسے مناظر بھی دیکھے گئے کہ امریکی حمایت پر فخر کرنے والے اور امریکی خوشنودی کی خاطر اپنی عوام کی خواہشات کا گلا گھونٹنے والے حکمرانوں کو سیاسی پناہ تک دینے سے انکار کر دیا گیا۔ امریکہ ڈالروں کی بارش کر کے اور مختلف ڈراوے دے کر حکمرانوں کو دوست بناتا ہے۔ اگر کوئی سربراہ مملکت امریکی پالیسی پر عمل سے انکار کرتا نظر آئے تو اس کے خلاف محاذ شروع کرا دیئے جاتے ہیں اور اس طرح دوست حکمرانوں کو بھی دباؤ میں رکھ کر من پسند مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ امریکی ڈالرز نے آج تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتی بلکہ جیسے جیسے امریکی امداد بڑھنے کا چرچا ہوتا ہے اس ملک کے قرضوں کا انبار وسیع ہوتا جاتا ہے اور معاشی حالت بدترین۔ پاکستانی عوام کو تو ایسے حالات کا بخوبی اندازہ ہے۔ ملک میں کئی تحریکوں میں امریکی مداخلت کی باتیں اب راز نہیں رہیں جبکہ گزشتہ چند سالوں میں مہنگائی کی سطح اپنے عروج پر ہے۔ اسی طرح حالیہ دور میں ایران، وینزویلا سمیت کئی ممالک کے حکمران امریکہ مخالف سمجھے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے انہیں مختلف

سازشوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ ایرانی صدر محمود احمدی نژاد کے دوبارہ انتخاب کے بعد امریکی خفیہ ایجنسیوں کی مدد سے پرتشدد مظاہرے کرائے گئے جن میں درجنوں افراد ہلاک ہوئے اور ان میں ملوث ہونے کا الزام خود امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن بھی کر چکی ہیں۔ ہوگو شاویز کو قتل کرنے کی کئی سازشیں ناکام ہو چکی ہیں تاہم تجارتی اور معاشی پالیسیوں کے حوالے سے اس کے خلاف نفرت بڑھائی جا رہی ہے۔ ہنڈارس کے صدر مینول زیلایا کو بھی کیوبا اور وینزویلا کے ساتھ مل کر امریکی بالادستی کو چیلنج کرنے کے جرم میں معزول کیا جا چکا ہے۔۔ لیبیا کے معمر قذافی امریکی طفل تسلیوں پر ایٹمی پروگرام سے دستبرداری کی قیمت چکا رہے ہیں اور ان کے خلاف عوامی اور فوجی مہم جاری ہے۔ مصر میں حسنی مبارک پر مشکل وقت آیا تو واشنگٹن سے بچاؤ کے پیغام کی بجائے عوامی خواہش کے احترام میں اقتدار سے علیحدگی کا قیمتی مشورہ نازل ہوا۔۔ اسی طرح عراق میں 1969 میں عبدالکریم قاسم کی امریکہ مخالف حکومت کو صدام کی بعث بغاوت کے ذریعے کچل دیا گیا جس کے پیچھے CIA کا ہاتھ تھا۔ اسی زمانے میں انڈونیشیا میں سوکارنیو کی امریکہ مخالف حکومت کو بڑی چالاکی سے امریکہ حمایتی سوہارتو کی کے ہاتھوں یرغمال بنا دیا گیا۔ اور قطر میں شیخ حماد اسلامی رجحان رکھنے والے اپنے سگے والد کو جلاوطن کر کے اقتدار پر براجمان ہوا۔ سعودی عرب کے شاہ فیصل جبکہ پاکستان کے ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیاء الحق کی پراسرار ہلاکتوں کے پیچھے بھی امریکی ایجنڈے کی تکمیل کے مقاصد ہی قرار دیئے جاتے ہیں۔ امریکہ کے سابق دوست اور آخری سالوں میں دشمن قرار دیئے جانے والے عراقی صدر صدام کی کہانی امریکی دوستی کی خاطر نشان عبرت بننے والوں کی سب سے بڑی مثال ہے۔ شاہ ایران اس خطے میں امریکہ کا سب سے قریبی ساتھی تصور کیا جاتا تھا۔ مغربی میڈیا اسے امریکی گورنر تک لکھتا رہا اور اس نے امریکی خوشنودی کی خاطر ملک کو روشن خیالی کی راہ پر ڈالا۔ اسلامی اقدار کو بزور ختم کر دیا گیا جبکہ مذہبی شعار کی پابندی کے باعث ہزاروں افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے لیکن جیسے ہی ایرانی سرزمین پر خمینی انقلاب کا سورج طلوع ہوا امریکہ شاہ ایران کو بھول گیا۔ اس قریبی دوست کو سیاسی پناہ تک دینے سے انکار کر دیا گیا اور اس طرح امریکہ کا یہ اتحادی 1980ء میں جلاوطنی کے دوران مصر میں فوت ہو گیا اور دنیا کے لئے نشان عبرت بنا۔ یاسر عرفات ایک آزادی پسند جنگجو اور بہادر لیڈر سمجھا جاتا تھا۔ یاسر عرفات جیسے ہی امریکہ کی جانب سے قیام امن کے نام پر پھیلائے گئے جال میں پھنسا تو اس شخص کے باعث مسئلہ فلسطین کو انتہائی نقصان پہنچا۔ امریکی دوستی کے باعث ایک طرف اس کی عوامی مقبولیت ختم ہو گئی اور حماس کی طاقت بڑھی جبکہ دوسری جانب اسرائیل نے اس کی موت تک محاصرہ جاری رکھا اور یاسر عرفات امریکی دوستی کے قبرستان میں دفن ہو گیا۔ ایران کے امریکہ نواز سابق وزیراعظم ڈاکٹر مصدق نے جیسے ہی تیل کے ذخائر کو قومی ملکیت میں لینے کی کوشش کی تو اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ یوگوسلاویہ کا آمر میلازووچ امریکہ اور یورپی یونین کی آشیرباد پر ہی بوسینیائی مسلمانوں کا قتل عام کرتا رہا لیکن جب مخصوص ایجنڈے کی خاطر اسے اقتدار سے محروم کیا گیا تو بعد میں اسے عالمی عدالت میں مقدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ نکاراگوا کے باغی لیڈر اناس تاسو نے کئی سال امریکی خفیہ ایجنسیوں کے

تعاون سے کیمونزم کے خلاف جنگ لڑی۔ جیسے ہی حکومت اس کی بغاوت پر قابو پانے میں کامیاب ہوئی اور اسے جان بچانے کے لئے فرار ہونا پڑا تو امریکی دوستوں نے بھی آنکھیں پھیر لیں۔ اناس تاسو کو بار بار اپیلوں کے باوجود کہیں سیاسی پناہ نہ مل سکی اور جنگلوں پہاڑوں میں چھپتے چھپتے زندگی کی بازی ہار گیا۔ چلی کے بدنام زمانہ ڈکٹیٹر جنرل اگستو پنوشے کی کہانی بھی امریکی دوستی کے باعث ملنے والے دکھوں سے بھری پڑی ہے۔ اس ظالم شخص نے 17 برس تک عوامی خواہشات کا خون کیا۔ امریکی اشاروں پر مخالفت میں اٹھنے والی ہر تنظیم پر پابندی لگائی اور لاکھوں افراد کو قتل کرا دیا گیا۔ جنرل پنوشے امریکی دوستی پر فخر کرتا تھا لیکن جیسے ہی عوامی دباؤ پر اسے اقتدار چھوڑنا پڑا تو امریکہ نے بھی آنکھیں پھیر لیں۔ جنرل پنوشے دولت کے انبار کے ساتھ لندن پہنچا لیکن اسے گرفتار کر کے دس سال نظر بند رکھنے کے بعد اسے سن 2000ء میں واپس چلی کے حوالے کر دیا گیا۔ جہاں وہ مقدمات کا سامنا کرتے کرتے ہارٹ اٹیک سے مر گیا۔ امریکہ نے اپنے اس اتحادی کے لئے تعزیتی پیغام تک جاری نہ کیا۔ فلپائن کے سابق حکمران فرڈیننڈ مارکس نے امریکی حمایت سے ہی حکومت حاصل کی اور اس کی پالیسیوں کا محافظ رہا۔ 1986ء میں اس کی حکومت گرا دی گئی تو ساتھ ہی امریکی دوستی کا قصہ تمام ہوا اور اسے ہونولولو میں ایک عام پناہ گزین کی طرح گزارا کرنا پڑا۔ انگولا کے جوناس سیومبی اور پانامہ کے جنرل نوریگا کا شمار بھی ان جنگجو لیڈروں میں ہوتا ہے جنہوں نے امریکہ کی جنگ لڑی لیکن ناکامی کی صورت میں انہیں یکسر بھلا دیا گیا۔ سابق صدر بش کی حکومت پاکستانی جنرل پرویز مشرف کی آمریت کی بھرپور حمایت کرتی رہی۔ اپوزیشن کے ساتھ سخت رویے کے باوجود انہیں ذاتی دوست کی حیثیت حاصل رہی۔ لیکن جیسے ہی پرویز مشرف سابق صدر ہوئے ہیں تو امریکی نمائندہ خصوصی رچرڈ ہالبروک کا کہنا تھا کہ وہ اب ماضی کا حصہ بن چکے ہیں اور انہیں سزا دینا پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے۔

آج ہم اس موڑ پر کھڑے ہیں کہ جہاں ہمیں امریکی دوستی کی زنجیر کو باندھے رکھنے یا پھر ملکی خودمختاری اور سلامتی میں کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ ایبٹ آباد آپریشن نے ہمیں ایک بار پھر یہ سوچنے کا موقعہ فراہم کیا ہے دوستی اور مشترکہ مفادات کی بار بار رٹ لگانے والا امریکہ اپنے مفادات کی خاطر کس حد تک جا سکتا ہے۔ اگر تو ہماری قوم، ادارے، سیاستدان اور آنیوالی نسل ہر ہر موڑ پر ذلت اور رسوائی برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے تو پھر ہمیں شور شرابے اور احتجاج کو ترک کر کے وائٹ ہاؤس سے آنیوالے احکامات پر مکمل تابعداری سے توجہ دینی ہوگی۔ مختلف ممالک کے درجنوں حکمرانوں کے نشان عبرت بننے کے باوجود اب بھی بہت حکومت کرنے والے امریکی پالیسیوں پر چلنا پسند کرتے ہیں۔ عوامی مقبولیت کی بجائے قصر سفید کی غلامی پسند کرتے ہیں۔ ایسے حکمرانوں اور نام نہاد لیڈرز کو یاد رکھنا چاہیے کہ امریکی دوستی ہمیشہ تباہی کا پیغام ہی لاتی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمیشہ ہی اقتدار کے مزے لوٹتے اور مقروض قوم کے خرچ پر دنیا گھومتے، وزارتوں کے مزے لوٹتے، سرکاری خرچ پر عیاشیاں کرتے، ٹیکسوں کی کمائی سے مہنگے ملبوسات خریدتے اور کرپشن کی دولت کو غیر ملکی بنکوں میں سنبھالتے حکمرانوں کو یہ بات اکثر سمجھ نہیں آیا کرتی۔

حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اک ستارہ ہائے عقدِ کہکشاں سے اٹھ گیا

بفراق حضرت مولانا عبدالحنان صاحب جھانگیروی قدس سرہ العزیز

(المتوفی : ۵/مئی ۲۰۱۱)

فاضل دارالعلوم دیوبند وخالِ محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب وحضرت مولانا انوار الحق صاحب

نابغائے وقت ہمارے درمیاں سے اٹھ گیا — سوئے جنت چل دیئے اور اس مکاں سے اٹھ گیا
تھے جو شاگردِ رشید سید احمد حسین — وائے حسرت آج بزمِ قدسیاں اٹھ گیا
وہ جو اربابِ محبت کا تھا میر کارواں — میر ساماں اب خدایا کارواں سے اٹھ گیا
باوجودِ جاہ و حشمت فقر بو ذر کی مثال — با ادائے ناز وارامتحاں سے اٹھ گیا
عالم افسوس میں ہر فرد تھا تصویرِ غم — جب جنازہ ان کا یوں آہ وفغاں سے اٹھ گیا
شیخ مولانا سمیع الحق کے خالِ محترم — گل بداماں عالمِ سود و زیاں سے اٹھ گیا
خونِ دل سے رو رہا ہے حضرت انوار حق — سرپرست خاندان دور زماں سے اٹھ گیا
مستحق تعزیت ہیں آپ مفتی زرولی — تیرا استاذ اجل تھا اس جہاں سے اٹھ گیا
جانشین ثابت ہو ان کا مولوی احمد نقیب — اک ستارہ ہائے عقدِ کہکشاں سے اٹھ گیا

ایسا گل تھا واہ فانی باعث زیب چمن
اب خزاں منظر ہے جب وہ گلستاں سے اٹھ گیا

☆ ☆ ☆

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب وروز

دارالعلوم میں پانچ ماہی امتحانات میں پوزیشن حاصل کرنے والوں میں تقسیم انعامات: ۱۸راپریل بروز پیر دارالعلوم حقانیہ کے پانچ ماہی امتحانات کے نتائج اور امتیازی پوزیشن حاصل کرنے والوں کو انعامات دینے کیلئے ایوان شریعت ہال میں پروقار تقریب زیر صدارت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ حقانیہ منعقد ہوئی۔ تقریب کی ابتداء ختمات قرآن اور خصوصاً ختم بخاری سے کی گئی، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے خطاب کے بعد حضرت مولانا محمد انوار الحق صاحب، نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ نے امتحانی نظام اور امتیازی پوزیشن حاصل کرنے والوں کے انتخاب کے طریق کار پر حاضرین مجلس کو اپنے بیان سے نوازا۔ بعد میں انعامات کی تقسیم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے ہاتھوں پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کو انعامات دیئے۔ ترتیب درجہ وار حسب ذیل ہے:

(درسگاہ نمبر۱ شعبہ حفظ) اول: محمد معوذ بن حاجی قادر۔ دوم: احسان اللہ بن حاجی کلیم۔ سوم: رفیق اللہ بن حاجی واصل خان

(درسگاہ نمبر۲ شعبہ حفظ) اول: عبدالحلیم بن حاجی۔ دوم: محمد عمران عبدالرحیم۔ سوم: عبدالرحمٰن بن عبداللہ۔

(درسگاہ نمبر۳ شعبہ حفظ) اول: فضل الرحمٰن بن سید محمد۔ دوم: عارف اللہ بن خلیل الرحمٰن۔ سوم: ثناء اللہ بن محمد آغا۔

(درسگاہ نمبر۴ شعبہ حفظ) اول: شریف اللہ بن محمد نبی۔ دوم: مجاہد خان بن عبدالحمید۔ سوم: حکم خان بن محمد نبی۔

(درسگاہ نمبر۵ شعبہ حفظ) اول: عبدالرازق بن حاجی نائب۔ دوم: روح اللہ بن غازی مرجان۔ سوم: محمد کاشف بن قاری صفدر شاہ

(درسگاہ نمبر۶ شعبہ حفظ) اول: سردار ولی بن داد مولیٰ۔ دوم: ذیشان علی بن حمداد۔ سوم: مصطفیٰ خان بن فضل قادر۔

(درجہ اعدادیہ) اول: اعجاز احمد بن طوطی گل۔ دوم: حضرت حسین بن غلام اکبر۔ سوم: ناصر علی بن عزت خان۔

(درجہ متوسطہ) اول: راحت شاہ بن محمد غلام۔ دوم: محمد یونس بن عبدالوارث۔ سوم: حضرت بلال بن عمران الدین

(درجہ اولیٰ) اول: محمد عکاشہ بن نصر اللہ۔ دوم: آمان الحق بن عبدالجلیل۔ سوم: محترم شاہ بن زرولی شاہ

(درجہ ثانیہ) اول: حمایت اللہ بن مولانا حافظ شوکت علی۔ دوم: محمد سلمان بن عجب خان۔ سوم: اللہ یار بن سید مرجان۔

(درجہ ثالثہ) اول: محمود زکی بن مولانا محمد ابرہیم فانی صاحب۔ دوم: یاسر خان بن آئین خان۔ سوم: جلیل احمد بن گل دراز۔

(درجہ رابعہ) اول: شفیع الحق بن سمیع الحق۔ دوم: کلیم اللہ بن دین محمد۔ سوم: ثاقب علی بن تاج محمد۔

(درجہ خامسہ) اول: شاہ فہد بن لیاقت علی۔ محب اللہ بن سردراز خان۔ دوم: سجاد علی بن اسلم خان۔ سوم: مجیب الرحمٰن بن خلیل الرحمٰن

(درجہ سادسہ) اول: لعل شیر بن عجب خان۔ دوم: ندیم خان بن غنی الرحمٰن۔ سوم: محمد میکائیل بن محمد ابرہیم۔ فضل قدوس بن فضل معبود

(درجہ تکمیل) اول: فرمان گل بن گل صدر۔ دوم: مطیع اللہ بن شربت خان۔ سوم: الطاف حسین بن عزیز الرحمٰن۔ نوید اختر بن محبت خان

(درجہ موقوف علیہ) اول: ضیاء الرحمٰن بن ولی الرحمٰن۔ دوم: عبدالباری جان بن حسین احمد۔ سوم: ابرار الدین بن قلمدین۔

(درجہ عالمیہ) اول: نیک محمد بن شیرزادہ۔ راحت نیاز بن سلیم خان۔ دوم: نثار احمد بن عبدالھادی۔ سلطان محمد بن تاج محمد۔ سوم: ذبیح اللہ بن محبوب اللہ۔

(درجہ تخصص فی الفقہ) اول: جلال الدین بن اللہ زار خان۔ دوم: رفیق اللہ بن حسن المآب ۔سوم: اقبال خان بن بخت خان۔
(شعبہ کمپیوٹر) اول: محمد صدیق بن دلسوز درجہ دورہ حدیث۔ دوم: مطیع اللہ بن غلام رحیم درجہ تکمیل۔سوم: رشید اللہ بن ابراہیم درجہ اولیٰ
سوم: ہدایت الرحمٰن بن عدالت خان درجہ موقوف علیہ

جامعہ حقانیہ میں طلباء سے تفصیلی امتحانات کے علاوہ درمیانی مدت کے یک روزہ جائزوں کے سلسلے کا آخری امتحان مورخہ ۹رمئی، ۱۱مئی اور ۱۲رمئی ۲۰۱۱ء کو بخیر وخوبی پایہ تکمیل ہوا۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ اور اساتذہ دارالعلوم حقانیہ کا دورہ امہ چلڈرن اکیڈمی:

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ ۱۷راپریل ۲۰۱۱ء بروز اتوار تمام اساتذہ کرام و مشائخ عظام کے ہمراہ جناب مولانا محمد ادریس صاحب، چیئرمین امہ ویلفیئر ٹرسٹ کی دعوت پر امہ چلڈرن اکیڈمی تشریف لے گئے۔ جناب مولانا محمد ادریس صاحب اور پروفیسر اظہار الحق صاحب نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ اور اساتذہ کرام نے امہ چلڈرن اکیڈمی کے تمام شعبے دیکھے اور اس کی نہایت عمدہ کارکردگی، نظم و نسق اور خصوصاً صفائی و سلیقہ شعاری کا اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کیا اور اس موقع پر فرمایا کہ ہمارے پڑوس میں ایک ایسا اعلیٰ تعلیمی، دینی، فلاحی، رفاہی ادارہ قائم ہوا ہے جو یتیم بچوں کی کفالت کے ساتھ ساتھ ان کو زیور تعلیم سمیت ہنر و فن سے بھی آراستہ کر رہا ہے۔ باقی اساتذہ کرام نے بھی امہ چلڈرن اکیڈمی کے منتظمین و روح رواں مولانا محمد ادریس صاحب اور پروفیسر اظہار الحق کی شبانہ روز خدمات اور خداداد صلاحیتوں کی بھرپور پذیرائی فرمائی۔ ادارہ کے فلاحی کاموں کا نیٹ ورک اس وقت پورے صوبے خیبر پختونخوا، خصوصاً سیلاب سے متاثرہ علاقوں نوشہرہ اور اکوڑہ خٹک سمیت ہر جانب پھیل گیا ہے اور تھوڑے ہی عرصے میں خدمت اور نیک نامی میں دیگر مغربی لادین نام نہاد این جی اوز کے مقابلے میں ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔ اس موقع پر مولانا مدظلہ نے جناب مولانا محمد ادریس صاحب سے انکے بھائی کی وفات پر فاتحہ خوانی کی اور ان سے تعزیت بھی کی۔ وفد میں مہتمم صاحب کے ہمراہ نائب مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب، استاد حدیث مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب، الحاج اظہار الحق صاحب، مولانا حامد الحق حقانی صاحب، مولانا سید یوسف شاہ صاحب، مولانا مفتی مختار اللہ صاحب، مولانا راشد الحق صاحب، مولانا عرفان الحق، مولانا سلمان الحق، مولانا لقمان الحق صاحب، شفیق الدین فاروقی صاحب، مفتی عبدالمعنعم صاحب، وغیرہ شامل تھے۔

حضرت مولانا مفتی شمس الدین صاحبؒ کی وفات:

جامعہ عربیہ مفتاح العلوم حیدرآباد کے مہتمم، یادگار اسلاف، فاضل دارالعلوم دیوبند گزشتہ دنوں انتقال فرما گئے۔ آپ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد خاص تھے۔ اسکے علاوہ بانی دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا

عبدالحق ؒ سے بھی آپ نے موطا پڑھی تھی۔ زندگی بھر درس و تدریس، علم و عمل و رشد و ہدایت کے شعبوں سے وابستہ رہے۔ خصوصا حضرت مولانا عبداللہ درخواستی نور اللہ مرقدہ کیساتھ آپ کا بڑا جذباتی لگاؤ تھا۔ حضرت ؒ بھی آپ سے بڑی شفقت فرماتے تھے، انہی کی تحریک پر جامعہ مخزن العلوم خانپور میں آپ صدر مدرس اور منتظم بنے۔ یوں تو آپ کے علم و فضل سے ہزاروں شاگرد فیضیاب ہوئے ہیں لیکن چند ممتاز شاگردوں میں حضرت مولانا منظور احمد نعمانی ظاہر پیر، حضرت مولانا میاں مسعود احمد دین پور، مولانا عبدالشکور دین پوری ؒ، مولانا عبدالغفور حیدری، مولانا حافظ حسین احمد صاحب، حضرت مولانا عبدالقادر آزاد، حضرت مولانا فدا الرحمن درخواستی وغیرہ نمایاں ہیں۔ اولاد میں مولانا محفوظ الرحمن شمس، ماشاء اللہ آپ کے فرزند رشید اور باصلاحیت عالم دین ہیں۔ ادارہ تمام پسماندگان سے دلی تعزیت کرتا ہے۔

مردان میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی قیادت میں امن ریلی:

۲۱ اپریل (مردان) دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدظلہ کی قیادت میں امریکہ کے خلاف ایک عظیم الشان ریلی منعقد ہوئی۔ یہ اجتماع امریکہ میں قرآن پاک کی بے حرمتی، امریکی ڈرون حملوں اور لیبیا پر امریکی جارحیت کے خلاف منعقد ہوا۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ امریکہ گریٹر اسرائیل کے قیام کے مذموم ایجنڈا کیلئے لیبیا سمیت عرب ممالک میں مداخلت کر رہا ہے، مسلمانوں کو حرمین کے دفاع کے لئے خود کو ایک بڑی جنگ کے لئے تیار رکھنا ہوگا۔ مولانا مدظلہ نے کہا کہ قبائلی علاقوں میں معصوم شہریوں پر ڈرون حملے اور قرآن کی بے حرمتی سے امریکہ کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہوگیا ہے، حالات کا تقاضا ہے کہ مسلمان امریکی مظالم کے خلاف متحد ہو جائیں، جمعیۃ علماء اسلام کے سربراہ مولانا سمیع الحق نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ امریکہ کے اتحاد سے نکل کر آزادانہ خارجہ پالیسی مرتب کرے، انہوں نے کہا کہ حکمران امریکہ کے ایجنٹ بنے ہوئے ہیں، تاہم عوام ملک کو امریکہ کی کالونی نہیں بننے دیں گے، انہوں نے کہا کہ ملک کے اندر انقلاب ہماری منزل ہے یہ اسلامی انقلاب ہوگا جس کے لئے عوام کو تیار رہنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ قبائلی علاقوں میں معصوم شہریوں پر ڈرون حملے کر رہا ہے، لیبیا سمیت دیگر عرب ممالک میں مداخلت کر رہا ہے، جبکہ قرآن پاک کی بے حرمتی بھی کی جارہی ہے، ان حالات میں بھی مسلمان کسی کے مذہب پر وار کرنے کی بجائے امن ریلیاں نکال کر اپنا احتجاج کر رہے ہیں کیونکہ اسلام مسلمانوں کو امن کا درس دیتا ہے، انہوں نے کہا کہ ہم امریکی غلامی کسی صورت قبول نہیں کریں گے، اگر فاٹا پر ڈرون حملے بند نہ ہوئے اور حکمرانوں نے امریکہ کے ساتھ وفاداری کا طرز عمل جاری رکھا تو پھر ہم پشاور سے کراچی تک سڑکوں پر آ کر احتجاج کریں گے۔ ریلی سے جمعیۃ کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالرؤف فاروقی، مولانا حامد الحق حقانی، جناب اکرام اللہ شاہد، مولانا سید یوسف شاہ اور مولانا شاہ عبدالعزیز اور مقامی رہنماؤں نے بھی خطاب کیا۔

ادارہ

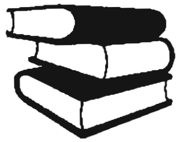

تعارف تبصرہ کتب

پٹھانوں کے شاہ ولی اللہ مرتب: راشد علی زئی ضخامت: ۱۶۰ صفحات قیمت ۳۰۰ روپے

ملنے کا پتہ: میرا کتب خانہ محلہ محمد عظیم خان حضرو اٹک

علمی دنیا میں شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتویؒ کسی تعارف کے محتاج نہیں، آپ اپنے وقت کے ولی کامل عارف باللہ اور اکابرین امت و اساطین ملت کے عکس مجسم اور حسین تصویر تھے، آپ کی ساری زندگی خدمت تفسیر و درس حدیث میں صرف ہوئی۔ آپ ضلع اٹک کے علاقہ چھچھ سے تعلق رکھتے تھے، اور موضع غورغشتوی آپ کا آبائی گاؤں ہے اسی چھوٹے سے قصبے کو آپ نے اپنے نورانی اور روحانی حلقہ ہائے درس سے رشک آفتاب و ماہتاب بنایا تھا۔ آپ کے درس میں ملک و بیرون ملک مثلاً ایران افغانستان اور دیگر قبائلی علاقہ جات سے تشنگان علم جوق در جوق شریک ہوتے، آپ نے جس وقت تنہا ایک عظیم حلقہ درس سجا رکھا تھا اس وقت برصغیر میں دارالعلوم دیوبند جیسی شہرہ آفاق علمی درسگاہ کی علمی رونقوں اور تدریسی خدمات کا چرچا تھا، یہ آپ ہی کی طلسماتی شخصیت تھی کہ آپ کے درس میں چار پانچ سو کے لگ بھگ منتہی طلباء شرکت کرتے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے خانقاہی نظام کی بھی مکمل سرپرستی کی، اور سلسلہ نقشبندیہ میں مریدین اور مسالکین کو بیعت فرماتے۔ اور اسی طرح جب بھی کسی لادینی فرقہ نے سر اٹھایا تو آپ اس کی سرکوبی کے لئے ہراول دستے کا کردار ادا کرتے تھے، ۱۹۵۳ء میں جب تحریک ختم نبوت چلی تو عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود پابند سلاسل رہے۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ اس عظیم عبقری شخصیت کے حالات زندگی سوانح حیات اور کارہائے نمایاں پر ایک عظیم کتاب شائع کی جائے۔ جس سے آئندہ آنے والی نسلوں کے سامنے آپ کی شخصیت اجاگر ہو جائے۔ لیکن صد افسوس کہ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود آپ کی شایان شان کوئی کتاب منصۂ شہود پر جلوہ گر نہ ہوئی، البتہ یہ غنیمت ہے کہ جناب راشد علیزئی صاحب نے حضرت شیخ کے متعلق وقتاً فوقتاً جو مضامین و مقالات ملک کے مختلف جرائد و رسائل میں شائع ہوئے ہیں، آپ نے بکمال مہارت ان کو ترتیب دی، اور ایک بیش قیمت گلدستہ اہل ذوق اور اہل علم کے سامنے پیش کیا ہے، کتابت و طباعت دیدہ زیب، لیکن کتاب کی ضخامت کے حوالے سے قیمت زیادہ نامناسب ہے۔ اپنی افادیت کے لحاظ سے کتاب انتہائی اہمیت کی حامل ہے چاہیے کہ اس کو ہر لائبریری کی زینت بنائی جائے۔

نام کتاب: امت اسلامیہ کی شیرازہ بندی مؤلف: ثاقب اکبر صدر البصیرہ پبلی کیشنز

ضخامت: ۱۷۶ صفحات ناشر: البصیرہ ۲۹۹، سٹریٹ ۷۶ جی نائن تھری اسلام آباد

امت مسلمہ آج جس انتشار وافتراق کی شکار نظر آرہی ہے اور جس قدر گروہوں، جماعتوں، پارٹیوں، ٹولوں میں تقسیم ہوگئی ہے، اس سے پہلے شاید ایسی حالت نہ آئی ہوگی۔ لیکن تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب بھی مسلمان ''امت'' کے تشخص کو فراموش کر گئے اور گروہی اور فروعی اختلاف میں الجھ گئے تو وہ صفحہ ہستی سے مٹ کر نیست و نابود ہوگئے۔ اور غیروں کی غلامی کا شکار ہوگئے۔ تاریخ کے اوراق آج بھی بلخ، بخاری اور اسپین کے حالات پر شاہد عدل ہیں کہ بغداد میں علماء کرام جزئیات پر لڑ رہے تھے اور باطل ان کی بیخ کنی کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے، جس کی عکاسی ایک شاعر نے اس طرح کی ہے

جب چلی بغداد میں تاتاری تیغ بے نیام مفتیان شرع میں جاری تھی ایک جنگ کلام
ایک کہتا تھا کہ کوا ہے حلال دوسرا کہتا تھا چونچ ہے تا دم حرام
اسی زمانے کے مورخ نے جو دیکھا تو کہا مفتیان را کردہ کار ملت بیضا تمام

آج اگر بغور جائزہ لیا جائے تو تمام عالم اسلام کی یہی صورتحال ہے، بلکہ ہمارے اہل علم اور ارباب اقتدار کو انتشار اور افتراق میں ایک سازش کے تحت دھکیلا جارہا ہے۔ ایسے ناگزیر حالات میں ارباب علم ودانش اور اصحاب فکر کی ذمہ داری مزید بڑھتی جارہی ہے کہ وہ احیاء امت مسلمہ میں اپنا مثبت کردار ادا کریں، اور مسلمانوں میں ''امت'' کا تشخص اجاگر کرائیں۔ مقام شکر ہے کہ ایک مخلص صاحب درد اور صاحب قلم دانشور جناب ثاقب اکبر صاحب اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔

زیر نظر کتاب ''امت اسلامیہ کی شیرازہ بندی'' بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے جس میں فاضل مصنف نے امت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کی وجوہات، اسباب اور مسائل کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے اور مرض کے ساتھ ساتھ اس کا علاج بھی بتایا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب نو ابواب مشتمل ہے، جس میں باب اول: پاکستان میں فرقہ واریت کے اسباب اور تدبر کی ضرورت۔ باب دوم: اتحاد اسلام کی ضرورت، صورت اور تدبیر، باب سوم: اتحاد امت کے چند عالمی اقدامات۔ باب چہارم: اتحاد امت کیلئے چند عالمی اقدامات۔ باب پنجم: صحابہ کرامؓ کے احترام میں شیعہ مراجع کے فتاویٰ۔ باب ششم: دینی مدارس کا نصاب، نئے اقدامات۔ باب ہفتم: مختلف مکاتب فکر میں احکام نماز کا تقابلی مطالعہ۔ باب ہشتم: اتحاد از راہ اجتہاد۔ باب نہم: دوسروں کو بھی رائے کی آزادی دیں۔ وغیرہ شامل ہیں۔

کتاب مختلف تحقیقی حوالوں سے مزین ہے۔ خدا کرے جناب ثاقب اکبر صاحب کی یہ تحقیق کاوش امت اسلامیہ کے اتحاد واتفاق میں سنگ میل کی حیثیت ادا کرے۔ امین

وقت کے تقاضوں کی تکمیل...

ہمدرد ایک صدی سے زیادہ نہ صرف آپ کے دُکھ اور تکلیف میں فرحت و تسکین بخش رہا ہے بلکہ آپ کا ہمدم اور خیر خواہ بھی ہے۔ انسانیت کی خدمت اور پرورش کے لئے نہایت وسیع اقسام کی ہربل اور طبی مصنوعات موجود ہیں، جو صحت بخش ہونے کے ساتھ شفاء بخش بھی ہیں۔

ہمدرد اس دور کے تقاضوں کی تکمیل، ترقی یافتہ سائنسی طریقوں کی مدد سے کرنے کے لئے سرگرم کار ہے۔

صحتِ انسانی کی بقاء اور بیماریوں کے اس سفر کے ساتھ ساتھ "ہمدرد" نے انسان دوست ادارے کی حیثیت سے تعلیم اور ثقافت کے فروغ میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

ہمدرد

ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان

ISO 9001:2008 & ISO 22000-2005 CERTIFIED

Al Majeed Hamdard Centre Nazimabad No 3 Karachi-74600 Pakistan Tel (+9221) 36616001-4 Fax (+9221) 36611755 Email headoffice@hamdard.com.pk,
Website www.hamdard.com.pk

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین مطبوعات

گنبد خضریٰ کے سائے میں

رشحات قلم: شیخ الحدیث حضرت مولانا **سمیع الحق** صاحب مدظلہ

بہ اہتمام ونگرانی: مولانا **عبدالقیوم حقانی**

سفر حرمین شریفین کی علمی، مطالعاتی اور تاریخی ڈائری، دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے والہانہ اور عاشقانہ سفر کی ایک دلچسپ، حیرت انگیز اور ایمان افروز روئیداد

صفحات .... ۲۵۶ صفحات .... قیمت ۲۸۰ روپے

اے زائر حرم!

ترتیب وانتخاب : شیخ الحدیث حضرت مولانا **سمیع الحق** صاحب مدظلہ

بہ اہتمام ونگرانی: مولانا **عبدالقیوم حقانی**

عبادات کا باہمی ربط وتعلق، نماز اور زکوۃ کا باہمی ربط، انعامات خداوندی، روزہ شان جمالیت کا مظہر، عشق کا دوسرا مرحلہ اعتکاف، حج عشق کا تیسرا مرحلہ، تلبیہ اور طواف، منیٰ، عرفات، رمی، عشق کا آخری مرحلہ قربانی، اساسی عبادات باہمی مربوط ہیں، سفر عشق، شفیع محشر کے دربار میں میدانِ حشر کا سماں، گنبدِ خضرا، بقیع اور البلد الامین، نگاہ تصور میں تصویرِ جاناں، نوائے فقیر، غلبہءشوق، کوچہ جاناں کا ہر ذرہ چراغِ طور، عبدیت کی معراج اور عشق کا منتہا

صفحات : ۷۲ .... قیمت -/۱۲۰ روپے

Regd.No. P-90 Monthly "AL-HAQ" Akora Khattak

مشاھیر

بنام

مولانا عبدالحق شیخ الحدیثؒ

ترتیب و تالیف توضیح و حواشی :

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

تقریباً پون صدی پر مشتمل اساطین علم ادب، علماء و محدثین، مشائخ و اکابرین امت، نامور اہل قلم شہسواران صحافت، دانشور و مصنفین، سیاسی زعماء حکمران و سلاطین کے مکتوبات نگارشات، تاثرات اور احساسات کا مجموعہ علمی، فقہی، مذہبی مسائل، ملکی تحریکات و بین الاقوامی سیاسی اتار چڑھاؤ اور عالم اسلام کو درپیش بحرانوں کے مدوجذر پر ارباب فکر و دانش کے خیالات و افکار کا ایک بڑا ذخیرہ مولانا سمیع الحق کے قلم سے ادبی تعارفی حواشی اور توضیحات مشاہیر کے خطوط کے عکسی نمونے

ضخامت: ۷۰۴ صفحات کتاب الحمدللہ چھپ کر آ گئی ہے

شائع کردہ :

مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان